Saiyid Nasirul Hasan, M.A., L.T.
Assistant Master,
Government Basic Training Centre
Meerut

اَکْرِمُوا الْبَقَرَۃَ فَاِنَّھَا سَیِّدُ الْبَھَائِمِ
(حدیث)
(تفسیر در منثور)

گاؤکشی

اور

مسلمان

از قلم سید مصطفیٰ احسن رضوی
سابق جوائنٹ ایڈیٹر روزنامہ اسد لکھنؤ

سرفراز قومی پریس لکھنؤ میں چھپا
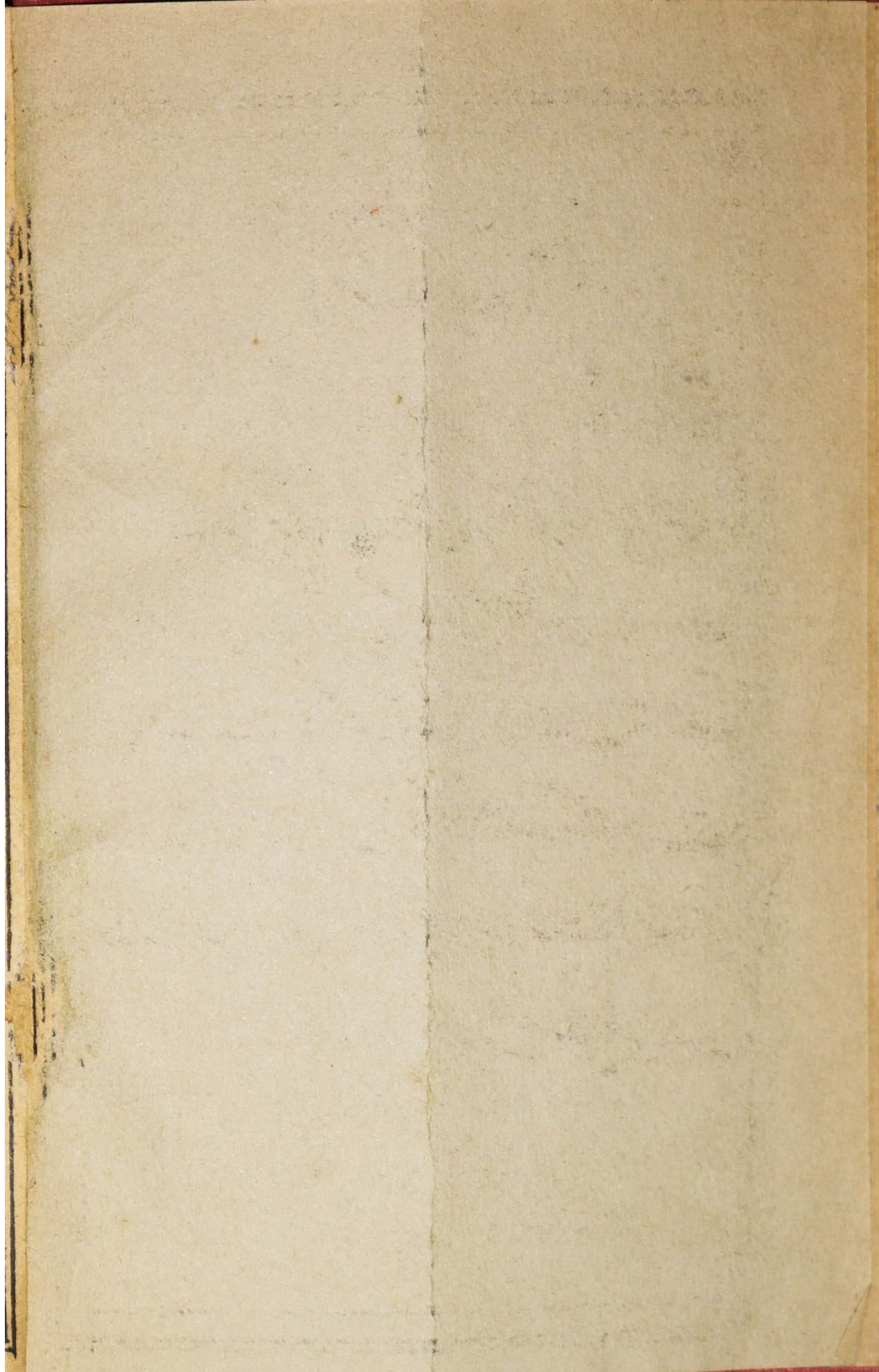
انتساب

میں اس مختصر رسالہ کو اپنی شیعہ جماعت کے مایۂ ناز بزرگ

جناب سید نظیر احمد صاحب رضوی ولالف مجسٹریٹ سیتاپور

کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں جنھوں نے مسلمانوں

میں سب سے پہلے گئو رکشا کی حمایت میں آواز بلند کی

اور جو مدتوں سے اس مبارک مقصد کے حصول میں

مخلصانہ طور پر اپنی مساعی جمیلہ صرف فرما رہے ہیں

سید مصطفیٰ حسن رضوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ تحفظ گاؤ (گؤ رکھشا) خالص ملکی مسئلہ ہے اور اس مسئلہ پر جسقدر زیادہ غور کیا جائے گا اُتنی ہی زیادہ اس کی اہمیت معلوم ہوتی جائے گی - ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس کی سرسبزی اور بہبود کا مدار بالکل زراعت پر ہے اور زراعت کا دارومدار نسل گاؤ پر ہے - اس مسئلہ کے اندر طرح طرح کی شقیں لگا کر کثیر التعداد مسلمانوں کا اس پر مذہبی رنگ چڑھا دینا اور گاؤکشی و گاؤخوری کو شعائر اسلام قرار دے لینا محض فتنہ پردازی ہے - یہ بات مسلمانوں کو بخوبی معلوم ہے کہ اُن کے ہندو اہل وطن نسل گاؤ کی بڑی عزت کرتے ہیں اور اُس کی حفاظت کے لیے اپنی جانیں دیدینے پر ہر وقت آمادہ رہتے ہیں - تاریخیں شاہد ہیں کہ ہندو قوم گؤ کی رکھشا سے کبھی غافل نہیں رہی کئی مسلمان بادشاہوں کے عہد میں اس کے لیے اُس نے کوشش کی جس میں اُسکو

کامیابی ہوئی لیکن ناعاقبت اندیش علمائے سو اور گوشت خور مسلمانوں
نے اس کامیابی کو ناکامیابی سے بدل دیا اور اپنی ہی بات بالا رکھی
تاکہ ہندو قوم مرعوب و مغلوب رہے مگر

بیک ساعت بیک لحظہ بیک دم دگرگوں میشود احوال عالم

وہ زمانہ گزر گیا ہندوستان کی اسلامی سلطنت مٹ گئی ہندو قوم کو
موقع مل گیا اس نے بھی جا و بیجا مسلمانوں کی مخالفت پر کمر باندھی
ہے اور گورکھشا کو منزل مقصود تک پہونچا دینا چاہتی ہے۔
جہاں تک گورکھشا کا تعلق ہے میری تمام ہمدردی ہندو قوم سے
ہے اور مجھے اس معاملہ سے ایک مدت سے دلچسپی ہے۔

میں نے سنہ ۱۹۰۶ء میں ایک ہولناک منظر ذبح گاؤ کا دیکھ کر
قلبی اثر لیا۔ گھر آکر ایک طویل خط مولوی عبد الرحمن صاحب المعروف
بہ مولنا فرخی کو جو رامپور کے باشندہ تھے اور ایک عریضہ
بخدمت مولنا سید ناصر حسین صاحب قبلہ (ناصر الملۃ) کو روانہ کیا اور
دونوں حضرات سے حدیث نبوی لحم البقر داءٌ ولبنہا دواءٌ
وسمنہا شفاءٌ (گوشت گاؤ میں آزار ہے اوسکے دودھ میں دوا ہے

اور اُس کے گھی میں شفا ہے، کی توثیق چاہی جناب ناصر الملۃ نے حدیث مذکور کے موثق ہونے کی تائید فرمائی مولانا فرخی سے خط و کتابت ہوتی رہی بالآخر اُنھوں نے اس حدیث کو مختلف طرق و حوالہ جات کے ساتھ ایک کتاب میں جمع کر کے گئو رکھشا کی حمایت کی اور اپنی کتاب کا نام برکت نعیر حرکت رکھا جو سنہ ۱۹۱۰ء میں طبع ہوئی۔

سنہ ۱۹۰۹ء سے ابتک میں نے ہزاروں انگریزی اور اُردو مضامین لکھ ڈالے اور گئو رکھشا کو اپنا مستقل مشن بنالیا ہے یوں تو فرقہ شیعہ کبھی بھی عادتاً گاؤ خور نہ تھا اور نہ قربانی گاؤ اُس کے معمولات میں ہے لیکن میری تحریک کا اُس نے ہمیشہ اثر لیا۔ البتہ سُنّی فرقہ کے اندر جس میں وہابیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے میرے مشن کو خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔ شروع سنہ ۱۹۲۵ء میں میرا پہلا رسالہ جس کا نام اسلامی گئو رکھشا ہے شائع ہوا۔ اس رسالہ کا تمام ہندوستان علے الخصوص جنوبی ہند میں نہایت گرم جوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا۔ ہز اکسلنسی مہاراجہ

سر کشن پرشاد بہادر آف حیدر آباد نے مجھے لکھا کہ گئو رکھشا کی پرچار مسلمان واعظین کے ذریعہ کی جائے اور ایک مسلم گئو شالہ تعمیر کیا جائے جو مسلمانوں کی آیندہ نسلوں کے لیے شاہراہ ہدایت کا کام دے۔ اگست ۱۹۲۵ء میں منشی محمد حسین صاحب مختار سہارن پور نے ایک رسالہ موسومہ گاؤ کشی اور اسلام طبع کرایا۔ اس رسالہ میں میرے رسالہ اسلامی گئو رکھشا کا حوالہ نہیں ہے مگر اپنے انداز میں بہت اچھا ہے۔ ۱۹۲۷ء میں شاہزادہ احمد سلطان نبیرہ ابو ظفر بہادر شاہ آخر بادشاہ دہلی نے ایک رسالہ جس کا نام اطلاع المسلمین ہے لکھا۔ اس میں شاہزادہ صاحب (مرحوم) نے میرے مشن کی پوری تائید فرمائی۔ ۱۹۲۸ء میں میرا دوسرا رسالہ گئو پریم لدھیانہ میں شائع ہوا جس کا آغاز حدیث نبوی اکرمو البقر فانہا سیدۃ البہائم (گائے کی عزت کرو وہ تمام بہائم کی ملکہ رانی ہے) سے ہوا ہے۔ ۱۹۳۸ء میں جناب مولانا سید محمد صادق صاحب پروفیسر ناظمیہ کالج لکھنؤ نے ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کا نام گاؤ کشی اور اسلام ہے

رسالۂ مذکور میں پروفیسر صاحب ممدوح نے قربانی گاؤ کو
عبث اور غیر ضروری ثابت فرمایا ہے۔ اب میرا تیسرا رسالہ
جس کا نام **ہندو مسلم گئو برنانت** ہوگا قریب قریب تیار ہے
رسالہ **گاؤ کشی اور مسلمان** مولفہ سید مصطفےٰ احسن صاحب
رضوی نے میرے مشن (تبلیغ) میں گراں بہا اضافہ
کردیا ہے انداز تحریر بہت سلیس اور دلکش ہے
اور تمام دلائل تحفظ و ترقی نسل کو اپنے دامن میں لیے
ہوے ہے۔ میں اس رسالہ کی عمدہ ترتیب اور خوبی
تالیف پر رضوی صاحب کو مبارکباد دیتے ہوے اُن کی
محنت و جانفشانی کی داد دیتا ہوں۔ رضوی صاحب نے
اچھے پیرایہ میں فرقہ سنیہ کو متاثر کرنے کی کوشش کی ہے
میں سفارش کرتا ہوں کہ فرقہ شیعہ اپنے عزم اجتناب
گاؤ خوری پر ثابت قدم رہے اور با اثر اور اہل الرائے
افراد ملت گئوشالوں اور پنجراپول کمیٹیوں کے ممبر بن کر
عملی گئو رکھشا کی تکمیل میں سعی فرمائیں۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں رسالۂ گاؤ کشی اور مسلمان کی یہ غرض نہیں ہے کہ ہندوؤں کو خوش کیا جائے یا فرقۂ اہلسنت کی مخالفت کی جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کی اقتصادی۔معاشرتی اور تمدنی حالت درست کرنے کے لیے ایسی قوم یا جماعت سے اشتراک عمل کیا جائے جو گائے ایسے بیش بہا اور بے مثل جانور کو ملکی فوائد کے لیے ضروری سمجھتی ہے۔

المختصر فرقۂ شیعہ کو اولاً قول و عمل سے عالم کو دکھلا دینا چاہیے کہ وہ گوشت کا تارک ہے اور قربانی گاؤ کا وہ عامل نہیں ہے بعد ازاں وہ خود اُن طریقوں کو پیدا کرے گا جن سے گئو رکھشا پایۂ تکمیل کو پہونچ سکتا ہے۔

سید نظیر احمد رضوی وکیل و آنریری لائف مجسٹریٹ و سابق آنریری اسسٹنٹ کلکٹر درجۂ اول سیتاپور

۲ر جولائی ۱۹۳۹ء
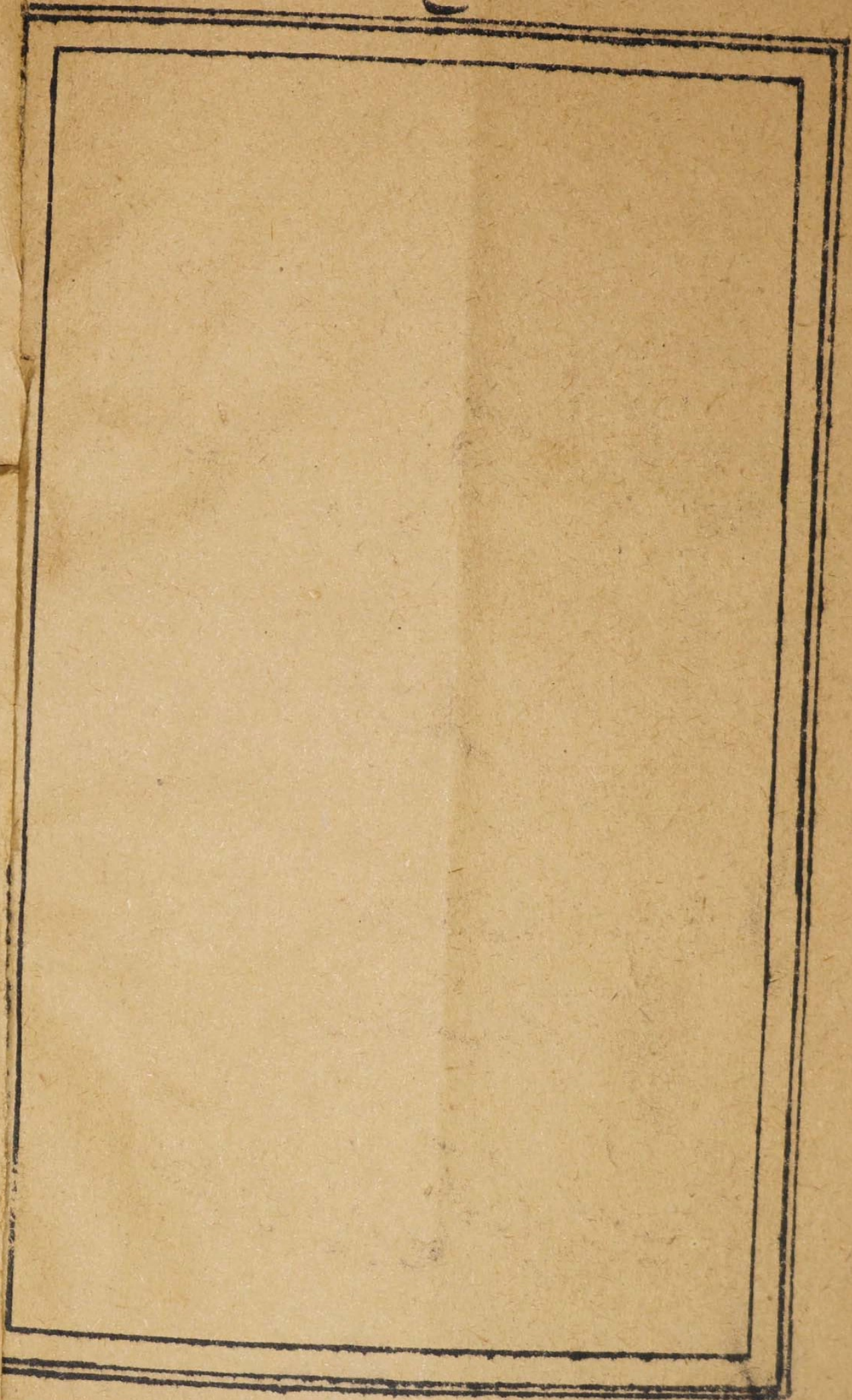
گاؤکشی اور مسلمان

از قلم

سید مصطفےٰ حسن رضوی سابق جوائنٹ ایڈیٹر
روزنامہ اسد لکھنؤ

تنظیم قومی پریس لکھنؤ میں چھپا

گاؤکشی اور مسلمان

اسلام نے گوشت خواری کی کیوں اجازت دی؟

اسلام نے گوشت خواری کو جائز قرار دیا ہے لیکن اُسی حد تک جہاں تک کہ انسانی ضروریات کے لیے اُس کا استعمال ناگزیر ہے ہندوستان ایک زرخیز ملک ہے جہاں فصلوں کی بہتات اور پیداوار کی افراط ہے۔ ہر قسم کے غلے۔ ہر قسم کی ترکاریاں اور ہر قسم کے میوہ جات کثرت سے پیدا ہوتے ہیں اور اس لیے ہندوستان جیسے زرخیز ملک میں اگر گوشت کا قطعی استعمال ہی نہ کیا جائے تو بھی بغیر کسی دقت و زحمت کے زندگی بسہولت بسر ہو سکتی ہے لیکن اُن ممالک پر نظر ڈالیے جہاں کف دست ریگستانوں کا ایک لاتناہی سلسلہ پھیلا ہوا ہے یا کوہستانی رقبہ جات کو لیجیے جہاں ماکولات سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتے

یا اگر ہوتے ہیں تو حد درجہ ناکافی مقدار میں۔ اسی طرح برفستانی خطوں اور شمالی و جنوبی سرد علاقوں کو دیکھئے جہاں سوائے کاہی کے کسی قسم کی سبزی پیدا نہیں ہوتی۔ مذکورہ بالا تینوں قسم کے مقامات پر انسان اس کے لئے مجبور نظر آتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے ان چند جانوروں کے شکار پر بسر کرے جو ان خطوں میں پائے جاتے ہیں اور وہ بھی کثرت کے ساتھ نہیں بلکہ قلت کے ساتھ۔

مذہب اسلام کسی ایک قوم کسی ایک ملک اور کسی ایک آب و ہوا کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ ایک عالمگیر مذہب ہے جس کے پیرو دنیا کے ہر گوشہ میں ہو سکتے ہیں اور اس لئے اُسے ایک ایسا ہمہ گیر قانون و دستور بنا کر دنیا کے سامنے پیش کرنا تھا جس میں ہر ہر خطہ ارض کے رہنے والوں کی ضرورتوں اور سہولتوں کا لحاظ رکھا گیا ہو اور اگر وہ گوشت خوری کو کلیتہً ممنوع قرار دیدیتا تو ان مسلمانوں کو اپنی زندگی بسر کرنا ناممکن ہو جاتی جو صفحہ ارض کے ایسے حصوں میں آباد ہوتے جہاں کسی قسم کی سبزی دستیاب نہیں ہو سکتی بلکہ انسان گوشت کھا کر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔

اسلام ضرورت سے زیادہ گوشت خوری کا مؤید نہیں

انسانی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام نے گوشت کو جائز قرار

دیدیا ہے لیکن اُسی حد تک جو افراط و تفریط کی درمیانی منزل ہو۔ چنانچہ رسولؐ اسلام کی مشہور حدیث ہے کہ "اپنے پیٹ کو جانوروں کے گوشت کا مقبرہ نہ بناؤ"۔ بس گوشت اُتنا ہی استعمال کرو جس کی فطری خواہش و ضرورت داعی ہو۔ فطری ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے جو اجازت بھی دیگئی ہے وہ گوناگون شرائط و قیود کے ساتھ تاکہ انسان اعتدال سے نکل کر افراط کی حد میں نہ پہنچ سکے۔ حلال و حرام کی حدیں معین فرما کر حدود اعتدال سے بڑھنے سے روکنے کا کافی انتظام کردیا گیا ہے۔ اور کچھ ایسے اصول و قواعد مرتب کردیے گئے ہیں جن کی کسوٹی پر ہر ہر جاندار کے حلال و حرام کے متعلق حکم لگایا جاسکتا ہے۔ مثلاً وہ تمام پرند جو پنجہ کش کہلاتے ہیں اور اپنا چارہ پنجہ میں پکڑ کر چونچ سے کھاتے ہیں حرام قرار دیدیے گئے ہیں۔ وہ جانور جو پانی سانس کھینچ کر نہیں پیتے بلکہ زبان سے چاٹ کر پیتے ہیں وہ پرند جو اُڑنے میں پروں کو نہیں پھڑپھڑاتے بلکہ ہوا میں تیرتے ہوئے نظر آتے ہیں وغیرہ وغیرہ اس میں بعض دیگر خصوصیات کے لحاظ سے کہیں کہیں مستثنیات بھی ہیں مگر الاماشاء اللہ۔

اسی طرح حرام و حلال کی حدبندی کرکے ہزاروں اور لاکھوں قسم کے جانداروں کو انسانی دست برد سے محفوظ کردیا گیا ہے اور ایک بہت ہی تھوڑی تعداد ایسے جانوروں کی رہ جاتی ہے جن کا گوشت

استعمال کرنے کی اجازت دیدی گئی ہے۔ ان حلال جانوروں میں بھی بعض کے ساتھ کراہت کی شق لگادی گئی ہے اور ان کے استعمال کو مکروہ بنادیا گیا ہے۔

پھر حلال جانوروں کے ساتھ بھی بہت سی شرطیں عاید کی گئی ہیں اور ان میں سے بعض شرائط تو اتنے سخت و اہم ہیں کہ جبتک وہ پورے نہونگے حلال جانور کا گوشت بھی کھانا جائز نہیں ہو سکتا۔ ذبح کے اصول مقرر کیے گئے ہیں اور ایسے ہدایات دیے گئے ہیں جنمیں سے بعض کے لیے تاکید اکید ہے اور بعض وجوب کی حد میں آتے ہیں۔ اگر ان شرائط کو بجا نہ لاتے ہوے کوئی حلال جانور بھی ذبح کیا جاے گا تو اُسپر میتہ کا اطلاق ہوگا اور ایسے جانور کا گوشت جسے اسلام کے مقرر کردہ اصول وقیود کے اتحت ذبح نہ کیا گیا ہو حرام و ناجائز قرار پاے گا۔

ان حالات پر نظر ڈالنے سے یہ بہ آسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ اسلام کثرت گوشت خواری کا مؤید نہیں ہے اور یہ نہیں چاہتا کہ انسان گوشت خواری میں آزاد رہے بلکہ اُس کا واضح مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ گوشت کا استعمال کم سے کم ہو اور صرف ناگزیر ضروریات ہی کے تحت میں ہو۔

بہرحال سطور بالا میں مجملاً یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ درحقیقت

اسلام گوشت خواری کا محض اسی حد تک حامی ہے جس حد تک
گوشت خواری انسان کے لیے بعض حالات میں ناگزیر ہو جاتی ہے
وہ گوشت کھانے کی بس اتنی ہی اجازت دیتا ہے کہ انسان کے
معدہ پر جانوروں کے قبرستان کا اطلاق نہ ہو سکے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے ذبیحہ گاؤ کا موجودہ رواج

یہ مختصر سی تمہید عرض کرنے کے بعد اب میں گاؤکشی کے مسئلہ پر آتا ہوں
اور یہ دکھانے کی کوشش کروں گا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے اندر
گائے کے گوشت کا موجودہ رواج کس حد تک مذہب اسلام کے احکام
اور اس کی اسپرٹ کے مطابق ہے یا منافی۔

اسلام نے گائے کو کسی مخصوص اور علیحدہ حکم کے ذریعہ سے حلال
و مباح قرار نہیں دیا ہے بلکہ اُس نے حلال جانوروں کی جو تعریف کی ہے اور
اُن کا جو معیار مقرر کیا ہے اُس کے تحت میں گائے بھی آجاتی ہے اور اُس میں
بھی وہ خصوصیات و صفات پائے جاتے ہیں جو دوسرے جانوروں کے لیے
اسلام نے عام طور پر ضروری ٹھہرائے ہیں۔

گائے کا گوشت ترک کر دینے کے بعد بھی مسلمان مسلمان رہیں گے

حلال جانوروں کی کتنی قسمیں اور صنفیں ہیں جنھیں اسلام نے مباح

قرار دیا ہے لیکن متعدد چیزیں یقیناً ایسی ہیں جن کے گوشت کے استعمال کا کبھی
ہندوستانی مسلمانوں کو اتفاق بھی نہیں ہوا۔ تو کیا محض اس وجہ سے کہ انھوں نے
فلاں جانور کا گوشت کبھی کیوں نہیں کھایا وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائینگے؟
یا وہ کسی گناہ کبیرہ یا صغیرہ کے مرتکب متصور ہوں گے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ حلال
جانوروں کے گوشت کا استعمال مباح و جائز ہے فرض و واجب نہیں ہے
کسی مباح فعل کے ترک پر انسان گنہگار نہیں ہوتا۔ گوشت بقر کے
کھانے کی ممانعت نہیں اجازت ہے لیکن اجازت کے معنی یہ تو نہیں ہوتے
کہ اگر اس حکم سے جس کے رو سے اجازت دی گئی ہے فائدہ نہ اُٹھایا گیا یا فائدہ
اُٹھانے کا کسی وجہ سے موقع نہیں ملا تو محض اس بنا پر ہم خاطی و عاصی ہو جائینگے
گھوڑے کا گوشت کھانا جائز ہے لیکن ہندوستان کیا دوسرے اسلامی
ممالک میں بھی شاید ہی کوئی ایسا مسلمان ہو جس نے کبھی اُس کا گوشت
چکھا ہو۔ اسی طرح ہمارے ملک میں کتنے مسلمان ہیں جو عادتاً اونٹ کا
گوشت نہیں کھاتے اونٹ کے ذبیحہ کا یہاں بالکل رواج ہی نہیں جس کی وجہ
سے الا ماشاء اللہ شاید ہی کوئی مسلمان ایسا نکلے جسے اپنی عمر میں کبھی اونٹ
کے گوشت کے استعمال کا موقع ملا ہو۔ پس جس طرح ہم اونٹ کا گوشت نہ کھانے
کی وجہ سے خدا کے سامنے جواب دہ نہیں ہو سکتے اسی طرح اگر ہم گائے کا گوشت
ترک کر دیں تو اس کی بنا پر بھی ہم سے کسی قسم کی باز پرس نہیں ہو سکتی ہم

گائے کا گوشت کھائیں یا نہ کھائیں بہرحال مسلمان رہیں گے اور کھانے پر کسی جزا کے اور نہ کھانے پر کسی سزا کے مستوجب قرار نہیں پا سکتے۔

گاؤکشی اور ہمسایہ قوم کی دل آزاری

جہاں تک گوشت خواری کا تعلق ہے ہمیں نفس مسئلہ پر کوئی اعتراض نہیں بشرطیکہ وہ اعتدال کے ساتھ ہو۔ ہم گائے کے گوشت کے استعمال کو بھی مذہبا ناجائز نہیں سمجھتے لیکن ہندوستان میں گاؤکشی کو سیاسی اقتصادی۔ اخلاقی اور تمدنی حیثیتوں سے نہ صرف غیر مناسب بلکہ حد درجہ مضرت رساں بھی خیال کرتے ہیں مسلمانوں کو اپنی گوشت خواری کے ساتھ ساتھ اس امر کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ ہندوستان میں تنہا مسلمان ہی نہیں بستے بلکہ ہندوؤں کی ایک ایسی قوم بھی آباد ہے جس کے متعدد فرقے اگرچہ گوشت خوار ہیں پھر بھی وہ من حیث القوم مذہباً گائے کو قابل احترام اور لائق پرستش سمجھتے ہیں۔ اُس کا گوشت کھانا تو کیسا اُس کے نزدیک تو یہ تصور بھی سوہان روح ہوتا ہے کہ فلاں مقام پر گائے کو کوئی تکلیف پہونچ رہی ہے۔ ہندوؤں کو اس بھولے اور سودمند جانور سے والہانہ عشق ہے جس نے اُس تعلق کی حیثیت اختیار کرلی ہے جو عبد و معبود کے مابین قائم و استوار ہوتا ہے۔ اگر کسی ہندو کو یہ

معلوم ہو کہ کوئی شخص یا کوئی جماعت گائے کو ذبح کرتی اور اس کا گوشت کھاتی ہے تو اُن کے احساسات مذہبی مجروح ہو جاتے ہیں اور وہ قلبی روحانی تکلیف محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

ترک گاؤکشی سے ہندو مسلم مناقشات دور ہو سکتے ہیں

گاؤکشی کا موجودہ رواج جو طول و ارض ہند میں عام ہو رہا ہے یقیناً برادرانِ ہنود کے لیے قلبی اذیت کا باعث ہونا چاہیے اور میرا خیال ہی نہیں بلکہ میرا عقیدہ ہے کہ جب تک مسلمان اپنے ہمسایہ بھائیوں کے مذہبی احساسات اور قومی جذبات کا لحاظ و احترام کرتے ہوئے گاؤکشی کو بند نہ کریں گے اُس وقت تک ہندو مسلمانوں میں حقیقی یکجہتی اور واقعی یگانگت پیدا نہیں ہو سکتی۔ ہندو مسلمانوں کے باہمی مناقشات و تنازعات کا اصلی راز اختلاف مذہب میں نہیں بلکہ گاؤکشی کے اُس رواج میں مضمر ہے جو ملک میں عام ہو رہا ہے اور جس کی بہت بڑی ذمہ داری بلاشبہ مسلمانوں پر عاید ہوتی ہے۔ اگر گاؤکشی کا حد سے بڑھا ہوا رواج آج ختم کر دیا جائے تو ہندو مسلمانوں کے آئے دن کے فسادات اور ہنگاموں کا تقریباً سدباب ہو جائے۔

گئورکشا کے معاملہ میں برطانوی حکومت سدراہ ہے

لیکن مسلمان اپنی بیجا ضد پر اڑے ہوئے ہیں اور وہ کسی طرح گاؤکشی

سے دستکش ہونے پر آمادہ نظر نہیں آتے ۔ اس رواج کے انسداد کے
سلسلہ میں جو کوشش بھی کی جاتی ہے وہ اس لیے موثر و نتیجہ خیز ثابت
نہیں ہوتی کہ برطانوی حکومت ان کی پشتی پہ ہے اور حکمران جماعت
ان کے اس فعل میں برابر کی شریک صورت یہ ہے کہ مسلمانوں سے
زیادہ ہمارے سفید فام آقا گائے کا گوشت کھانے کے عادی ہیں مسلمانوں
سے زیادہ گورہ فوج میں اس گوشت کا رواج و خرچ ہے مسلمانوں کے
متعلق مشہور تو یہ ہے کہ وہ گائے کا گوشت کھاتے ہیں لیکن ساتھ ہی
یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ گوشت کی اُس مقدار میں جو وہ استعمال کرتے
ہیں گائے کے گوشت کی مقدار بہت کم ہوتی ہے بلکہ اُس میں بیل
بھینس اور بھینسا بھی شامل ہے لیکن وہ اس قبیل کے جتنے جانوروں
کا گوشت استعمال کرتے ہیں اُس پر اطلاق گائے کے گوشت ہی کا کر دیا جاتا
ہے مسلمان زیادہ تر ایسی ہی گائیں استعمال میں لاتے ہیں جو عموماً ناکارہ
کمزور ۔ بیمار ۔ دبلی اور بانجھ ہوتی ہیں ۔ تندرست ۔ گابھن ۔ جوان ۔
دودھ دینے والی اور نسل کشی کے قابل گاؤں کو شاذونادر ہی ذبح
کیا جاتا ہے لیکن گورہ فوج میں تندرست و توانا اور بچہ کش گائیں ہی
استعمال ہوتی ہیں ۔ ان یورپینوں کے زبان کے چٹخارہ کی خاطر جو ہندوستان
میں مقیم ہیں حکومت برطانیہ گاؤکشی کے مسئلہ میں ہندوؤں کے مذہبی جذبات کا

احترام کرنے کے لیے اب تک کسی طرح تیار نہیں ہو سکی ہے اور مسلمانوں کی آڑ لے کر وہ بماہر ذبیحہ گاؤ کی رسم جاری کیے ہوئے ہے وہ سمجھتی ہے کہ اگر گائے کے گوشت کا استعمال ہندوستان میں باقی نہ رہا تو گورہ سپاہیوں کا دوزخ شکم بھرنے کے لیے گائے کا گوشت کیسے مل سکے گا۔ صرف اسی خودغرضی کی بنا پر وہ اس بارہ میں مسلمانوں کی حمایت کر رہی ہے۔ اسے نہ ہندوؤں کی مذہبی دل آزاری کی کوئی پرواہ ہے اور نہ وہ یہ سمجھنے کے لیے تیار ہے کہ گاؤکشی سے ہندوستان کی اقتصادی حالت کو کتنا نقصان پہنچ رہا ہے

بالواسطہ طور پر بعض ہندو بھی گاؤکشی کی ہمت افزائی کرتے ہیں

مسلمانوں سے زیادہ ان ہندوؤں پر تعجب و افسوس ہے جو گاؤکشی کو مذہباً مذموم سمجھتے ہوئے بھی بلاواسطہ نہ سہی تو بالواسطہ ضرور گاؤکشی کی ہمت افزائی کرتے ہیں۔ بہت سے ہندو چمڑے کا روزگار کیے ہوئے ہیں۔ آنت۔ پٹھہ اور دودھ کی خرید و فروخت کر کے روزی کماتے ہیں کیل گھروں کی تعمیر وغیرہ کے ٹھیکے لیتے ہیں۔ بظاہر بڑے دھرماتما اور بھگت بنتے ہیں لیکن نسل کشی کے قابل گاؤں کو یہ جانتے ہوئے قصائیوں کے ہاتھ فروخت کر ڈالتے ہیں کہ وہ انھیں لیجا کر ذبح کر ڈالے گا۔ ایک طرف تو ان کی طرف سے ایسے قبیح امور کا مظاہرہ ہوتا ہے اور

دوسری طرف مسلمانوں سے ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ قربانی اور ذبیحہ گاؤ بند کردیں اور پھر لطف یہ ہے کہ اس سلسلہ میں جو کوششیں بھی کی جاتی ہیں وہ ایسے بھونڈے پن سے جس سے کوئی مفید نتیجہ برامد نہیں ہوتا۔ وہ چاہتے یہ ہیں کہ مسلمانوں کو قوت کے ذریعہ سے ترک گاؤکشی پر مجبور کردیں لیکن اس کا کوئی مفید نتیجہ نہیں بلکہ اس سے مسلمانوں میں ایک ضد پیدا ہوجاتی ہے۔ اس طرح تو اگر مسلمان گاؤکشی چھوڑتے بھی ہوں تو نہ چھوڑیں گے۔

ان حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ نرمی و آشتی سے کام لیا جائے اور خوش اسلوبی سے مسلمانوں کو ترک گاؤکشی پر آمادہ کیا جائے۔

گئورکشا کے مسئلہ کو اقتصادی نقطۂ نظر سے پیش کرنا چاہئے

ہندوؤں کی ایک غلطی اور ہے جسے شاید انھوں نے ابتک محسوس نہیں کیا ہے۔ وہ گاؤکشی کی جتنی مخالفت کرتے ہیں کلیتہً مذہبی بنیاد پر۔ حالانکہ گاؤکشی کا مسئلہ ہندوستان میں مذہبی ہونے سے زیادہ اقتصادی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں میں گائے کا مذہبی احترام و تقدس ان اقتصادی فوائد و منافع ہی پر مبنی ہے جو گائے کے اندر نہاں ہیں۔ پھر کیوں نہ اُس کی مذہبی حیثیت سے زیادہ اُس کی اقتصادی حیثیت کو اُبھارا جائے اور مسلمانوں کے سامنے اُس کے اقتصادی فوائد کا رُخ پیش

کر کے کیوں نہ اپیل کی جائے۔ اسپر مذہب کا گہرا رنگ چڑھا دینے سے ایک بڑی خرابی یہ پیدا ہو گئی ہے کہ وہ ایک فرقہ وارانہ مسئلہ بن کر رہ گیا ہے اور مسلمان یہ سمجھنے لگے ہیں کہ گئو رکشا کے سلسلہ میں ہندوؤں کی جد و کد صرف اس لیے ہے کہ وہ اپنے مذہبی جذبات کی تسکین کا موقع پا سکیں ورنہ ملک کی اقتصادی حالت سے اسے کوئی دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ اگر مسلمانوں کے سامنے ان اخلاقی۔ طبی۔ زرعی۔ اقتصادی اور تمدنی نقصانات کو واضح طور پر پیش کیا جائے جو گاؤکشی کا لازمی نتیجہ ہیں تو یقین ہے کہ گئو رکشا کی اہمیت کو مسلمان بھی محسوس کرنے لگیں اور کسی وقت وہ رضا کارانہ طور پر ترک گاؤکشی پر رضامند ہو جائیں۔

عام مسلمانوں میں گائے کے گوشت کا استعمال اس کثرت سے ہونے لگا ہے کہ ان کے اندر قصائیوں کی ایک مستقل برادری پیدا ہو گئی ہے جس کا کام ہی یہ ہے کہ وہ سفاکانہ طریقہ سے جانوروں کو ذبح کر کے گوشت مسلمانوں عیسائیوں اور ان یورپ والوں کے ہاتھ فروخت کرے جو جلب منفعت کے لیے ہندوستان میں آتے رہتے ہیں۔ اس طبقہ کی قساوت قلبی اور سنگدلی ضرب المثل بن گئی ہے اور مودت۔ محبت۔ نرم دلی۔ اخلاق غرضکہ جملہ اوصاف انسانی کو اس سنگدلانہ پیشہ پر بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ قصائیوں کی تعداد کا اندازہ کرنے سے اس خرچ کا تھوڑا بہت اندازہ کیا جا سکتا ہے جو گائے کے گوشت کا

ہندوستان میں ہے جس مُلک میں گاؤکشی جب اتنے منظم طریقہ سے جاری ہو تو اس ملک کی اقتصادی بے مائگی اور زراعت کی تباہ حالی جتنی زیادہ ہو کم ہے۔ اس ڈھنگ سے اور اس کثرت سے گائے کے گوشت کا استعمال دیکھ کر کم سے کم مجھے تو اس میں شبہ ہے کہ مسلمانوں کا یہ فعل کسی طرح بھی اسلامی احکام کے مطابق ہو۔

ذبیحہ کے متعلق اسلامی ہدایات و احکام

ذبیحہ کے بارہ میں اسلام نے متعدد ہدایات دیے ہیں جنہیں بعض وجوب کی حد میں داخل ہیں۔ ان ہدایات میں سے چند حسب ذیل ہیں:

اولاً یہ کہ جانور کو ذبح کرنے سے قبل خوب سیر و سیراب کیا جائے۔ اچھی طرح دانہ پانی کھلا پلا دیا جائے۔ لیکن شاید ہزاروں ہندوؤں کو نہ معلوم ہو کہ یہ قصائی ذبح ہونے والے جانور کو بیشتر سے چوبیس ۲۴ چوبیس ۲۴ چھتیس ۳۶ چھتیس ۳۶ گھنٹے بھوکا پیاسا دھوپ میں بندھا رکھتے ہیں اور اس کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ اس طرح گوشت کی بوٹی بندھی رہتی ہے۔ اور اگر سیر کرکے تازہ دم جانور کو ذبح کیا جائے تو اس کا گوشت ڈھلک جاتا ہے۔ لبلبا ہو جاتا ہے اور بوٹی البتہ نہیں رہتی۔

دوم یہ ہے کہ ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح نہ کیا جائے

لیکن اگر کمیلے گھر جاکر وہاں کا منظر ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس اسلامی حکم کی کس طرح بجا آوری کی جاتی ہے۔ جانوروں کی آنکھوں کے آگے کسی کی گردن پر چھری چل رہی ہے کسی کی کھال کھینچی جا رہی ہے۔ کسی کے جوڑ بند منقطع کیے جا رہے ہیں اور کسی کے جسم کے پارچے ٹکڑوں میں بکھرے جا رہے ہیں۔

سوم یہ کہ آلۂ ذبح کند نہ ہو بلکہ اتنا تیز ہو کہ وہ جلد سے جلد اپنا کام کر سکے اور جانور کی جاں گسل اذیت کے لمحوں میں کوئی طوالت واقع نہ ہو۔

لیکن قصائی کی چھری عموماً اتنی کند ہوتی ہے کہ متعدد ضربوں میں بھی مشکل سے شہ رگ گلو تک پہونچتی ہے۔

چہارم یہ کہ جانور کو قبلہ رو لٹایا جائے لیکن مذبح میں اس شرط کی سرے سے کوئی پابندی کی ہی نہیں جاتی۔ جانور کے چاروں پاؤں باندھ کر اسے گرانے کی کوشش کی جاتی ہے، اب خواہ وہ جس رخ سے بھی گر جائے کسی کا منھ مغرب کو ہوتا ہے کسی کا مشرق کو کسی کا شمال کو اور کسی کا جنوب کو۔

پنجم یہ کہ ذبح کرتے وقت خدا کا نام لیا جائے۔ اور چھری چلتے وقت ذبح کرنے والے کی زبان پر بسم اللہ اللہ اکبر جاری رہے۔ لیکن وہ پیشہ ور جلاد جو کمیلے گھر میں اس کام پر مقرر ہوتا ہے تلاوت تکبیر کی کوئی پروا ہی نہیں کرتا

چھری جانور کے گلے پر ہوتی ہے۔ نگاہ کسی دوسری طرف اور دماغ کہیں اور۔ ذبح کرتے وقت تکبیر کے بجائے وہ قصائی سے عموماً یہ کہتا ہوا سنا جا سکتا ہے

تم نے کل کی مزدوری کے پیسے تو اب تک نہیں دیئے

اب یہ ایک راس اور ذبح کرا لی۔

قابل غور یہ امر ہے کہ جب اسلامی ہدایات و احکام اور مذہبی قیود و شرائط کو اس بیدردی سے ذبح کیا جائے تو بھلا وہ ذبیحہ کس طرح اور کہاں تک جائز و مباح ہو سکتا ہے بلکہ میرے خیال میں تو اسے میتہ ہی کے حکم میں شامل کرنا چاہئے۔

گاؤکشی کے ترک میں قصائیوں کی اقتصادی تباہی کا عذر و اندیشہ

ہمارے مسلمان بھائیوں کو گاؤکشی کے ترک کرنے میں ایک یہ خیال بھی مانع ہوتا ہے کہ قصائیوں کا طبقہ بیکار ہو جائے گا جس سے مسلمان جو پہلے ہی سے نادار اور مفلس ہیں مزید ناداری اور افلاس کے گڑھے میں گر جائیں گے لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک طبقہ کی اقتصادی تباہ حالی نے اندیشہ کو بہانہ قرار دے کر ان مضرتوں کو انگیز کرنے پر کیوں اصرار کیا جاتا ہے جو گاؤکشی کے نتیجہ میں پیدا ہو رہی ہیں یا ہو سکتی ہیں۔ اگر واقعی گاؤکشی سے ہندوؤں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگتی ہے اور ان کی

دل آزاری ہوتی ہے یا گاؤ کشی کی کثرت ملک کو اقتصادی حیثیت سے
نقصان پہونچا رہی ہے تو ہمیں محض قصائیوں کی ایک قلیل جماعت کی
خوش حالی یا تباہ حالی کا لحاظ کیے بغیر اُسے بند کر دینا چاہیے۔ جماعتی مفاد
کے سامنے چند افراد کے مصالح کو کسی طرح مقدم نہیں رکھا جا سکتا۔ قانون
قدرت بھی یہی ہے۔ بارش ہوتی ہے اور بغیر اس لحاظ کے ہوتی ہے کہ اُس
سے فلاں غریب و نادار شخص کا کمزور جھونپڑا تباہ ہو جائے گا اور موسمی
سختیوں سے بچنے کے لیے اُس کے پاس کوئی جائے پناہ باقی نہ رہے گی
ایسا کیوں ہوتا ہے اسلیے کہ بارش میں عوام الناس کا مفاد پوشیدہ ہے
اگر قدرت انفرادی مفاد کا خیال کرے تو نوعی مفاد فوت ہو جائے گا جو
عقل و انصاف کے قطعاً منافی ہے۔ اگر ملکی و جماعتی مفاد کی بنا پر گاؤ کشی کا
ترک ضروری ہے تو اُس کو ترک کر دینا چاہیئے اور کسی پیش و پس سے کام
لینے کی ضرورت نہیں ہے نہ یہ سوچنے کی حاجت کہ ایسا کرنے سے فلاں
جماعت کی اقتصادی حالت کو صدمہ پہونچے گا۔

قصائیوں کے ہاتھ سے اگر یہ پیشہ جاتا رہے گا تو وہ کوئی دوسرا
پیشہ اختیار کر سکتے ہیں جب گاؤ کشی بند ہو جائے گی تو ترکاریوں
اور بکری کے گوشت کی مانگ بڑھ جائے گی۔ بیکار ہونے کے بعد یہ لوگ
ترکاریوں کی کاشت کر سکتے ہیں یا بکری کا گوشت فروخت کر سکے

اپنی اقتصادی حالت کو گرنے سے روک سکتے ہیں۔ پولٹری فارم قائم
کرکے مرغیوں اور دوسرے پرندوں کی نسل کو بڑھا سکتے ہیں "مصائب
قوم عند قوم فوائد"

ہر ضروری سے ضروری اصلاح بھی کسی نہ کسی طبقہ کے لئے مضر ہوتی ہے

دنیا میں جتنی اصلاحیں ہوئی ہیں یا ہوتی ہیں اُن میں سے ہر ایک کا اثر
عوام پر خوشگوار پڑنے کے ساتھ ساتھ کسی نہ کسی طبقہ پر بُرا بھی ضرور پڑتا ہے
لیکن اس بنا پر کبھی کوئی اصلاح نہیں روکی گئی کہ اُس سے خلاں قلیل التعداد
جماعت کو کوئی نقصان پہونچے گا۔ برطانوی دور سے قبل ہندوستان میں
آمد و رفت اور نقل و حرکت کے لیے بیل گاڑی۔ بہلی۔ رتھ۔ گھوڑا اور گھوڑا
گاڑی وغیرہ کا رواج تھا اور ملک کی آبادی کا ایک بڑا حصہ اسی ذریعہ سے
اپنی روزی کماتا تھا۔ جب انگریز آئے اور انھوں نے اس ملک میں یورپی
ایجادات کو رواج دیا تو ریل بھی جاری ہوئی جس سے ہزاروں لاکھوں پیشہ ور
بیکار ہو کر بھوکوں مرنے لگے جس پر انھوں نے احتجاج بھی کیا۔ اور
۱۸۵۷ء کے غدر و بغاوت کے اسباب میں سے ایک سبب وہ بیکاری اور بیزارگی
بھی تھی جو ریلوں کی ترویج کے باعث ملک میں پیدا ہو گئی تھی جس نے
لاکھوں اشخاص کو جو گاڑی بانی کرکے بسر اوقات کرتے تھے بیکار بنا دیا تھا

جب گاڑی بانوں کے اتنے کثیر التعداد طبقہ کی خاطر ریلوں کی ترویج نہ روکی گئی تو مٹھی بھر قصائیوں کی خاطر گاؤکشی کو معرض التواء میں رکھ کر ملک کے عظیم و اہم مفاد کو کس طرح خطرہ میں پڑا رہنے دیا جا سکتا ہے۔

ایک بستی میں مثلاً سو بیوائیں اور مسکین عورتیں رہتی ہیں جو چکی کے ذریعہ بسر اوقات کرتی ہیں۔ ایک سرمایہ دار پہونچتا ہے اور وہاں ایک فلور مل جا کر لگا دیتا ہے جو نہ صرف اُس بستی ہی کو آٹا مہیا کر دیتی ہے بلکہ گرد و نواح کے مواضعات کو بھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ تمام بیوہ و مسکین عورتیں جو آٹا پیس کر اپنی چلا کر پیٹ پالتی تھیں بھوکوں مرنے لگتی ہیں ایک شہر میں دو ہزار یکے تانگہ چلتے ہیں لیکن ایک دولتمند دو چار لاریاں لا کر کرایہ پر چلانا شروع کر دیتا ہے جس کے باعث ہزاروں یکہ بان بیکار ہو جاتے ہیں اور نہ صرف وہ بلکہ ان کے متعلقین بھی نان شبینہ کو محتاج نظر آنے لگتے ہیں۔

لیکن ان گوشت خوار مسلمانوں نے کبھی ریل کے اجراء پر صدائے احتجاج بلند کی نہ آٹا پیسنے کی مشینوں پر۔ نہ لاریوں پر اور نہ دوسری قسم کی از خود چلنے والی کلوں پر جن کی وجہ سے مُلک کے کتنے طبقوں کی خوش حالی و فارغ البالی نکبت و افلاس اور فلاکت و ناداری میں تبدیل ہو گئی۔ طول و عرض ملک میں کپڑے کی کتنی ملیں کُھل گئی ہیں جنہوں نے مسلمان جُلاہوں کی اقتصادی حالت کو تباہ کر دیا ہے لیکن مسلمانوں نے

دل میں کبھی کوئی درد پیدا نہیں ہوا بلکہ ملوں کا تیار کردہ کپڑا کثرت سے استعمال کرکے اپنوں کی تباہی اور اغیار کی آبادی کا سبب بنتے ہیں جب دوسرے طبقوں کے مقابلہ میں آپ کا یہ طرز عمل ہے تو قصائیوں کے ساتھ مراعات خصوصی کی کیا وجہ ہے اور ان کی اتنی پچ اور جانبداری کیوں کی جارہی ہے۔ کیا اس امتیازی سلوک کی وجہ یہ تو نہیں ہے کہ گوشت کی لذت و عادت اس کے ترک کی اجازت نہیں دیتی یا فرقہ وارانہ ذہنیت ان کو اس پر مجبور کر رہی ہے کہ وہ گاؤ کشی جاری رکھ کے اپنے برادران وطن کی دل آزاری کریں اور ان خرابیوں اور نقصانات کے ہوتے ہوئے جو گاؤ کشی سے ہو رہے ہیں۔ اگر ان دونوں وجوہ میں سے کوئی وجہ نہیں ہے تو پھر آخر گاؤ کشی ترک کرنے میں کیا امر مانع ہے اور اس کو باقی رکھنے پر اسقدر سختی سے کیوں اصرار کیا جارہا ہے۔

گوشت گاؤ طبی حیثیت سے

گائے کا گوشت طبی اصول سے بھی کچھ مفید نہیں ہے بلکہ اس میں منافع کی بنسبت مضرتیں کہیں زیادہ ہیں۔ بیماری ہی نہیں بلکہ تندرستی و صحت کی حالت میں بھی اس کا استعمال نقصان رساں ہے وہ گوناگوں امراض پیدا کرتا ہے اس کے کھانے سے جلدی عوارض مثلاً جذام۔ خارش

اور روادو غیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ بواسیر۔ جنوں۔ سرطان۔ تپ دق۔ اختلاج ضعف معدہ۔ ضعف دماغ اور اسی طرح کے دوسرے امراض کا بھی یہ گوشت محرک ہے اس سے آکلہ کا ناپاک اور گھناؤنا مرض بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ اس کے استعمال کرنے والوں میں تن خوئی زیادہ پیدا ہو جاتی ہے اور بہیمیت و حیوانیت کے خصوصیات کا غلبہ ہو جاتا ہے اس کے کھانے والوں میں جذبات غیظ و غضب پر قابو رکھنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ کوئی ڈاکٹر۔ کوئی طبیب۔ کوئی ویدیا کوئی ہومیوپیتھ بیماری کی حالت میں کسی طرح بھی گائے کے گوشت کے استعمال کی اجازت نہیں دیتا بلکہ زمانہ صحت میں بھی اُس سے اجتناب کرنے کو اولیٰ بتاتا ہے۔

اسلامی گئو رکشا کے مصنف سید نظیر احمد صاحب وکیل سیتاپور نے محمد بن یعقوب کلینی اور ملا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ کے اسناد سے کتاب کافی اور بحار الانوار سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ گائے کا دودھ شفا ہے۔ گھی دوا ہے اور گوشت بیماری ہے۔ جب طباً اور مذہباً اُس کے نقصانات و مضار بالکل ظاہر ہیں تو پھر ایک سچے مسلمان کو تو ایسی حالت میں گائے کے گوشت کے اس کثرت سے استعمال کرنے پر اصرار نہ کرنا چاہئے اگر ہندوؤں کی ضد میں گائے کا گوشت اسی طرح کھایا جاتا رہا تو یہ انتہائی

غیر مآل اندیشانہ فعل ہوگا اور کسی طرح بنظر پسندیدگی و استحسان نہیں دیکھا جا سکتا۔ اُس کام پر طفلانہ ہٹ نہ کرنا چاہئے جس میں نہ اپنا بھلا اور نہ دوسرے کا فائدہ بلکہ جو سراسر مضرتوں اور خرابیوں سے بھرا ہوا ہے۔

اشیائے خوراک پر گاؤکشی کے ترک کا مفروضہ ناخوشگوار اثر

گاؤکشی کے مؤیدین ترک گاؤکشی کے نقائص بتاتے ہوئے ایک یہ خرابی بھی دکھلایا کرتے ہیں کہ اگر ذبیحہ گاؤ بند ہو گیا تو اُس کا اثر اشیاے خوراک پر بہت بُرا پڑے گا اور ترکاریاں دالیں۔ پرند اور بکری کا گوشت نسبتاً بہت زیادہ گراں ہو جائے گا۔ چونکہ مسلمانوں کی مالی حالت سقیم ہے اس لیے وہ اس گرانی سے زیادہ متاثر ہوں گے۔

لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ دلیل بھی کوئی وزن نہیں رکھتی۔ گاؤکشی کے بند ہو جانے کے بعد چمڑہ کی مانگ بڑھ جائے گی اور اس کمی کو پورا کرنے کے لیے بکریوں کا زیادہ تعداد میں ذبح کرنا لازمی ہوگا۔ یہ مسلمہ ہے کہ جب چمڑا مہنگا ہوتا ہے تو گوشت سستا ہو جاتا ہے اور گوشت مہنگا ہوتا ہے تو چمڑا سستا۔ چمڑے کی گرانی یقیناً گوشت کی ارزانی کا باعث ہوگی۔

اس کے علاوہ مثل مشہور ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔ گائے کا ذبیحہ بند ہونے کے بعد جب اشیاء خوراک میں کمی ہو جائے گی تو ضرورت خود

مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ ملک کے عام باشندوں کو اس پر مجبور کردے گی کہ وہ دوسری قسم کی خوراکوں کی پیداوار کو بڑھانے کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ ترکاریاں زیادہ مقدار میں بوئی جانے لگیں گی بکری۔ بھیڑ اور کھانے والے پرندوں کی نسل بڑھانے کی کوشش کی جائے گی ان غلوں کی کاشت جن سے دالیں بنتی ہیں مثلاً ماش مونگ۔ چنا وغیرہ زیادہ ہونے لگے گی۔ غرض کہ گائے کا گوشت بند ہوجانے کے بعد اگر ایک دروازہ بند ہوگا تو متعدد دروازے کھل جائیں گے اور جس اندیشہ کی وجہ سے گوشت گاؤ استعمال کرنے والا طبقہ پہلے سے لرزہ براندام ہو رہا ہے وہ عملی حیثیت سے کبھی پیش ہی نہ آئے گا۔ گاؤکشی رک جانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ملک کے اندر گائے کی نسل بہت زیادہ بڑھ جائے گی اور دودھ دہی مٹھا۔ مسکہ۔ گھی۔ مکھن وغیرہ کی اسقدر افراط ہوجائے گی کہ گوشت کی تکلیف محسوس ہی نہ ہوگی۔

گائے کی افادیت اور اس کے دودھ کا انسانی صحت سے تعلق

ہندوستان کی اقتصادی حالت سے گائے کا گہرا تعلق ہے۔ فائدہ رسانی میں اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا جانور نظر نہیں آتا۔ صرف یہی وہ جانور ہے جس کے جسم کا ہر ہر حصہ مفید و سودمند ہے۔ ہڈی۔ چمڑہ۔ کھر۔ سینگ۔

آلائیش حتیٰ کہ بول و براز تک فوائد سے خالی نہیں۔ گوبر کچے مکانوں کی مرمت میں کام آتا ہے۔ ایندھن کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور بطور کھاد کے کھیتوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا پیشاب نہ معلوم کتنے امراض کی دوا ہے۔ ایلوپیتھی۔ ہومیوپیتھی اور طب یونانی کے متعلق تو نہیں معلوم کہ اُن میں گائے کے پیشاب کی کیا کیا خاصیتیں بتائی گئی ہیں لیکن اتنا تو یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ویدک میں گئوموتر (بول گاؤ) کے گوناگون خواص واثرات بتلائے گئے ہیں اور سیکڑوں نسخہ جات ومرکبات میں استعمال کیا جاتا ہے۔

گائے کی ہر چیز سے زیادہ مفید اور نفع بخش اُس کا دودھ ہوتا ہے جو حدیث کی رو سے بھی امراض کے لیے شفا ہے۔ طبی اصول کے مطابق اب تک شیر گاؤ کے بے شمار منافع دریافت ہو چکے ہیں اور نہ معلوم کتنے فوائد ایسے اور ہوں گے جو اب تک پردہ کے اندر رہیں اور ابھی ماہرین سائنس اور اطبا و حکما کی دسترس ان تک نہیں ہو سکی ہے

ہندوستان میں گاؤکشی کی اتنی کثرت ہوگئی ہے کہ خالص دودھ اور گھی مشکل سے ملتا ہے۔ اور خصوصاً شہروں میں تو کمیاب نہیں بلکہ نایاب ہے۔ اس کمی کی وجہ سے غیر خالص گھی عام طور پر بازاروں میں آگیا ہے۔ اور اتنا میل ہونے لگا ہے کہ تندرستیاں خراب ہو رہی ہیں طرح طرح کے

امراض کی زیادتی ہوگئی ہے۔ میونسپلٹیاں لائنہ اور بائی لائنہ (قوانین اور ضمنی قوانین) بناتے بناتے تھکی جارہی ہیں لیکن اس مصیبت پر کسی طرح قابو حاصل ہونے میں نہیں آتا بلکہ گھی کا نقص روز بروز بڑھتا ہی جاتا ہے اور خالص گھی کے ملنے میں برابر دشواریاں پیدا ہوتی جارہی ہیں۔

برطانوی دور میں چراگاہوں کی کمی

پہلے زمانہ میں چراگاہیں کثرت سے ہوتی تھیں اور مویشی کے چرنے کے لیے بڑے بڑے جنگل ہوتے تھے لیکن انگریزی دور میں بہت سے جنگلات کاٹ ڈالے گئے اور رہے رہے برابر کٹتے جارہے ہیں۔ پہلے ہر موضع کے ساتھ بڑے بڑے بنجر قطعات ہوتے تھے جو مویشی کے لیے چراگاہوں کا کام دیتے ہیں لیکن رفتہ رفتہ ایسے تمام رقبہ جات مزروعہ بنا لیے گئے اور اب اُفتادہ زمینیں مشکل ہی سے نظر آتی ہیں جس کی وجہ سے مویشی کے چارہ میں بہت زیادہ کمی ہوگئی ہے اور ذبح ہونے کے بعد ملک میں جو قلیل تعداد مویشی کی رہ گئی ہے اُس کے لیے مشکل ہی سے خوراک ملتی ہے جس طرح غلّہ کا قحط یا گرانی پڑتی ہے اسی طرح مختلف حصص ملک میں مویشی کے چارہ کا بھی قحط رونما ہوتا رہتا ہے۔

ان مشکلات کی طرف حکومت نے کبھی کوئی توجہ نہیں کی اور مویشی کو

اپنی موت مرنے اور اپنی زندگی زندہ رہنے دیا گیا۔ ہز ایکسیلنسی لارڈ
نلتھگو کو گائے سے بڑی دلچسپی ہے لیکن وہ محض انفرادی حیثیت سے۔
حضور ممدوح نے کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے جسے گائے کی ٹھوس خدمت
کہا جاسکے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ گاؤکشی کو بند کرانے یا بدرجہ مجبوری
کم کرانے کی پُرخلوص کوششیں کی جائیں۔ صوبجاتی گورنمنٹوں سے پوری
قوت کے ساتھ مطالبہ کیا جائے کہ وہ افزائش نسل گاؤ کے لیے مفید قانون
وضع کرے ہر موضع میں ایک چراگاہ قائم کی جائے جو ہر قسم کے ٹیکس سے
محفوظ ہو ایسے گاؤخانے قائم کیے جائیں جس میں تندرست و توانا سانڈ
موجود ہوں اور جن سے اچھی قسم کے گائے اور بیل کی نسل کو ترقی دیجاسکے

گاؤکشی کی کثرت اور اس کے انقطاع نسل کا خطرہ

مسلمانوں عیسائیوں اور گورہ فوج میں گائے کے گوشت کی مانگ اتنی
زیادہ بڑھ گئی ہے کہ روزانہ طول و عرض ملک میں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں
گائیں ذبح کردی جاتی ہیں اگر گاؤکشی کی یہی سرعت رفتار باقی رہی
تو اندیشہ ہے کہ سو پچاس برس میں اس کی نسل کا بالکل ہی خاتمہ ہوجائیگا
اگر خدانخواستہ ایسا ہوگیا تو ملک اقتصادی تباہی کے قعر عمیق میں جاگریگا

جس سے نکلنا پھر ناممکن ہوگا۔

شکار پر پابندیاں

بہت سی ہندو مسلم دیسی ریاستوں میں صحرائی جانوروں کا شکار کھیلنا قانوناً ممنوع ہے۔ برطانوی ہند میں بھی محکمۂ جنگلات اس کی اجازت نہیں دیتا کہ اُن رقبہ جات میں شکار کھیلا جائے جو اس کے زیر اہتمام ہیں۔ شکار کے متعلق قواعد وضوابط بنائے گئے ہیں اور زبردست پابندیاں عائد کردی گئی ہیں۔ بغیر حصول اجازت کسی شخص کو ممنوعہ علاقوں میں شکار کھیلنے کی آزادی نہیں ہے۔ بڑے لوگ اور اعلیٰ سرکاری افسران بھی بلا حصول اجازت اپنے جذبۂ خون آشامی کو تسکین نہیں دے سکتے۔ بعض مقامات پر مخصوص حالات میں اس قسم کی ممانعت بھی کردی جاتی ہے کہ فلاں فلاں صنف کے جانور شکار نہ کیے جائیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ آخر شکار پر یہ قیود کیوں عائد کردیے گئے ہیں اور بعض قسم کے جانوروں کو مارنے کی قطعی ممانعت کیوں کردی جاتی ہے اس امتناع کی مصلحت یہ ہے کہ صحرائی جانوروں کی نسل بالکل ختم نہ ہونے پائے۔ اگر شکار کی عام اجازت دیدی جائے تو تھوڑے ہی عرصہ میں انسان اپنی سیر وتفریح کے واسطے تمام جانوروں کو بھینٹ چڑھادے

اور ان کی نسل باقی نہ رہے۔ صرف ان کی تحفظ نسل کی خاطر ایسے قوانین و قواعد وضع کیے گئے ہیں اور انسان کے ہلاکت آفریں جذبۂ درندگی کو پابندیوں کے ذریعہ حد اعتدال سے بڑھنے سے روکا گیا ہے افسوس ہے کہ صحرائی جانوروں کی نسل کے تحفظ کا تو اتنا خیال ہے لیکن حکومت کو گائے کی نسل کے تحفظ و بقا کی کوئی فکر نہیں اور قانوناً اس کو جائز قرار دیدیا گیا ہے کہ انسان جتنی گائیں چاہے روزانہ ہلاک کر ڈالے اس کے لیے نہ کوئی ضابطہ ہے اور نہ قانون۔ صحرائی جانور انسان کے لیے زیادہ سودمند نہیں ہیں بلکہ بعض تو اپنی درندگی کی بنا پر نقصان کا سبب ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود گورنمنٹ یہ نہیں چاہتی کہ ان کی نسل منقطع ہو جائے۔ برخلاف اس کے گائے کو قتل و ذبح ہونے کے لیے آزاد چھوڑ دیا گیا ہے اگر انسان ہندوستان کی تمام گائیں بیک وقت ذبح کر ڈالے تو وہ ایسا کر سکتا ہے اور قانون کے حضور میں وہ کسی جوابدہی کے لیے مجبور نہیں ہے حالانکہ یہ غریب جانور اپنے گوناگوں فوائد کے لحاظ سے ہندوستان کے باشندوں کی زندگی کا ایک جزو لاینفک بن گیا ہے صحرائی جانوروں کے نسل کے خاتمہ سے انسانی ضروریات اتنی تشنہ تکمیل نہیں رہ سکتیں جتنی کہ گائے کی نسل کے انقطاع سے۔

کانگریسی حکومتوں کا اپنے فرض سے تغافل

برطانوی حکومت نے تو کبھی گاؤکشی کو روکنے کی طرف کوئی توجہ نہیں کی البتہ یہ توقع ہو سکتی تھی کہ جب ملک میں قومی حکومت قائم ہو گی تو وہ ملک کی اس اہم ضرورت کی طرف ضرور توجہ کرے گی۔ ۱۹۳۵ء کے انڈیا ایکٹ کے بموجب سات آٹھ صوبوں میں قومی حکومتیں قائم ہوئیں لیکن انھوں نے بھی اس مسئلہ کے سلسلہ میں اسی بے اعتنائی کا ثبوت دیا جس بے اعتنائی کا ثبوت اُن کی پیشرو حکومتیں دے چکی تھیں۔ کانگریس نے برسر اقتدار آکر یہ ثابت کر دیا کہ اُس کا مطمح نظر حصول اختیار و قوت سے زیادہ کچھ نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے ملک کا عام مفاد اتنا عزیز نہیں ہے جتنا عہدوں کا لالچ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ برسر اختیار و اقتدار آکر تحفظ گاؤ کے لیے کچھ نہ کچھ مخلصانہ کوششیں ضرور کرتی تحفظ گاؤ کو گرام سدھا کا اہم جزو قرار دیتی۔ اور مسلمانوں کو بہ جبر نہیں بلکہ صلح و آشتی اور تبلیغ و تحریص کے ذریعہ اس پر ضرور آمادہ کرتی کہ وہ رضا کارانہ طور پر گاؤکشی ترک کر دیں۔ لیکن کانگریسی نیتاؤں کو ملک کے واقعی سود و بہبود کی اتنی فکر نہیں جتنی کہ حصول اقتدار و اختیار کی۔ کانگریس کی ہوس اقتدار تو یہ بتاتی ہے کہ اگر برطانیہ اُس سے

یہ معاہدہ کرے کہ ہندوستان کی عنان حکومت اس شرط پر اس کے سپرد کی جاتی ہے کہ ملک کی تمام گائیں ہلاک کرڈالی جائیں تو شاید وہ اس معاہدہ پر بڑی خوشی سے دستخط کردینے کو تیار ہو جائے گی۔ اُسے نہ ہندوؤں کی مذہبی دل آزاری کا کوئی لحاظ ہوگا اور نہ اس کا خیال کہ نسل گاؤ منقطع ہو جانے کے بعد ملک اقتصادی حیثیت سے اپنے قدموں پر کھڑا نہیں رہ سکتا۔

اصل مسئلہ کی طرف نہ کانگریس متوجہ ہے اور نہ کانگریس کے روح رواں گاندھی جی۔ یوں تو کانگریس خود کو فرقہ پرستی کی بڑی زبردست دشمن ظاہر کرتی ہے لیکن اُس سرچشمہ کو روکنے کی کوئی فکر نہیں کرتی جس سے فرقہ وارانہ فسادات و نزاعات کی متعدد دھاریں پھوٹ رہی ہیں۔ اگر حقیقتاً وہ فرقہ پرستی کی دل سے مخالف ہوتی تو کانگریسی حکومتیں گاکشی کے روکنے کی مناسب کوششوں سے اس طرح غفلت نہ برتتیں۔

گائے کا گوشت ترک کرنے میں مسلمانوں کا بھی فائدہ ہے

اگر مسلمان گائے کے گوشت کا استعمال ترک کردیں تو یہ ملک اور اہل ملک پر احسان عظیم ہوگا اور ان کے اس فعل سے نہ صرف ہندوؤں کے مذہبی جذبات ہی مجروح ہونے سے محفوظ رہیں گے

بلکہ خود انھیں بھی ان اقتصادی فوائد میں رسدی حصہ ملے گا جو ان کے
اس مفید فعل سے مترتب ہوں گے۔

میں بہ حیثیت مسلمان کے یہ کہہ سکتا ہوں کہ مسلمان بلا کوئی خاص
تکلیف محسوس کیے ہوئے گائے کا گوشت چھوڑنے پر قادر ہیں مسلمانوں
کے اونچے شریف طبقے میں اب بھی عادتاً گائے کا گوشت کھانے کا رواج
نہیں ہے۔ اونچے گھرانوں میں کسی دسترخوان پر آپ بکری کے گوشت
کے سوائے گائے کا گوشت نہ پائیں گے۔ انھیں شاذونادر ہی کبھی
گائے کا گوشت چکھنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں
کہ میرے علم میں ایسے بہت سے مسلمان ہیں جو کبھی گائے کا گوشت نہیں
کھاتے۔ اور انھیں مستثنیات میں میں اپنا بھی شمار کرتا ہوں۔ میں نے
اپنی موجودگی میں تو کبھی اپنے گھر گائے کا گوشت پکتے دیکھا نہیں اور
مجھے اب تک کبھی ایسی اطلاع بھی نہیں ملی کہ میرے گھر کے کسی ممبر نے
میری عدم موجودگی میں شوقیہ ہی سہی کبھی گائے کا گوشت منگا لیا ہو
شیعہ جماعت سے میرا تعلق ہے اور میں بلا خوف تردید یہ کہہ سکتا ہوں
کہ میری جماعت میں جو بحمداللہ سو فیصدی شرفا پر اور ۹۹ فیصدی
تعلیم یافتہ حضرات پر مشتمل ہے گائے کے گوشت کا رواج بمنزلہ صفر
کے ہے اور عادتاً وہ کبھی گائے کا گوشت نہیں کھاتے۔

لکھنؤ میں مدح صحابہ ایجی ٹیشن سے متاثر ہو کر انھوں نے گائے اور بکری دونوں ہی کے گوشت کا بائیکاٹ کر دیا ہے۔ آٹھ دس بکریاں شیش محل میں ذبح ہوتی ہیں جو لکھنؤ کے پچاس ساٹھ ہزار شیعوں کی ضروریات کو کسی طرح پورا نہیں کر سکتیں۔ گویا لکھنؤ کی شیعہ آبادی مہینوں سے بغیر گوشت کے بسر کر رہی ہے اور الحمد للہ کہ اس سے ان کو کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی خدا کرے کہ ہمارا یہ جذبہ دیرپا ثابت ہو اور ہم آئندہ کبھی اُس چیز کی طرف دست طلب و رغبت نہ بڑھائیں جس کو ہم ایک مرتبہ ترک کر چکے ہیں۔ اس منزل تک پہونچنے کے بعد یہ ذمہ دار اور با اثر لیڈروں کا کام ہے کہ وہ اس حالت کو باقی رکھنے کے لیے مستقل اسباب فراہم کریں اور ایسی صورتیں بروے کار لائیں کہ آیندہ شیعوں کو گائے کے گوشت کی طرف رغبت کرنے کا موقع ہی نہ آنے پائے۔

شیعوں نے گوشت کو ترک کر کے اس کا بیّن ثبوت دیدیا ہے کہ اگر ہٹ دھرمی اور ضد سے کام نہ لیا جائے تو مسلمان من حیث القوم بھی گوشت ترک کرنے پر قادر ہیں اور غذا کے مسئلہ میں جس طرح شیعوں کو کوئی دشواری لاحق نہیں ہوئی اسی طرح مسلمانوں کے بقیہ فرقوں کو بھی کسی قسم کی دشواریاں محسوس نہ ہوں گی۔ دال اور ساگ پات کھا کر جس طرح اس وقت شیعہ چہرہ پر شکن ڈالے بغیر

بسر کر رہے ہیں اُسی طرح سُنی حضرات بھی گاؤکشی ترک کرنے کے بعد بسر کر سکتے ہیں۔ درحقیقت شیعوں نے تو بکری کے گوشت کا بائیکاٹ کیا ہے اس لیے کہ گائے کا گوشت کھانے کے تو وہ پہلے سے عادی ہی نہ تھے۔ البتہ انکی عام خوراک کا اہم جزو بکری کا گوشت تھا لیکن اس گوشت کو بھی ترک کر کے انھوں نے کلیتہً دالوں اور ساگوں پر بسر کرنا شروع کر دیا اور شکر ہے کہ کامیابی کے ساتھ وہ اس پر عمل کر رہے ہیں لیکن گاؤکشی کے مخالفین مسلمانوں سے کبھی یہ درخواست نہیں کرتے کہ وہ سرے ہی سے ہر قسم کا گوشت چھوڑ دیں بلکہ ان سے صرف گائے کے گوشت کے ترک کرنے کی خواہش و درخواست کی جاتی ہے۔ ایسی حالت میں انھیں بکری کا گوشت پھر بھی برابر ملتا رہے گا اور ان کا امتحان اتنا سخت نہ ہوگا جتنا سخت امتحان اس وقت شیعہ حضرات دے رہے ہیں اور اس میں کامیاب ثابت ہو رہے ہیں۔

شیعوں نے گوشت ترک کر کے ایک ایسی مثال قائم کر دی ہے جس کے بعد کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہیں ہو سکتی کہ مسلمان گوشت چھوڑنے پر فطرتاً قدرت ہی نہیں رکھتے۔ جو چیز اب تک ناممکن بتائی جاتی تھی اُسے شیعوں نے ممکن کر کے دکھا دیا ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ گائے کا گوشت تو کیا انسان اگر تہیہ کرے تو کلیتہً گوشت چھوڑ سکتا ہے شیعوں کا

یہ فعل حد درجہ قابل تعریف و مدح ہے۔ ضرورت ہے کہ ان کے اس اقدام کی تائید کی جائے اور انتہائی کامیابی کی منزل تک پہونچنے میں اُن کو سہارا دیا جائے کہ اُن کے بڑھتے ہوئے قدموں میں لغزش پیدا نہ ہو۔

کیا ترک گاؤکشی کی خواہش مداخلت فی الدین ہے

ہندوستان میں گاؤکشی اقتصادی نقطۂ نظر ہی سے مضر نہیں ہے بلکہ اس لحاظ سے بھی اس کے انسداد کی ضرورت ہے کہ اس ملک میں بہ کثرت ایسے افراد بھی بستے ہیں جو گائے کو مذہبی حیثیت سے مقدس و متبرک سمجھتے ہیں اور جن کے مذہبی احساسات اور قومی جذبات کو گاؤکشی سے صدمہ پہونچتا ہے۔ گاؤکشی کے ترک میں بےشمار فوائد ہونے کے بعد بھی جب مسلمان اس پر اصرار کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید انھیں اپنے ہمسایہ بھائیوں کے مذہبی جذبات کا کوئی احساس ہی نہیں ہے اور وہ اپنے اصرار سے دیدہ و دانستہ ہندوؤں کا دل دُکھانا چاہتے ہیں۔ گاؤکشی کے انسداد کے سلسلہ میں خواہ کتنی ہی پُرامن کوششیں کیوں نہ کی جائیں ہمارے برادران اہلسنت انھیں اپنے مذہبی حق میں مداخلت اور مذہبی آزادی پر

حملہ خیال کرتے ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایسی حالت میں جبکہ گائے کا گوشت کھانا اسلام میں واجب نہیں اس کے ترک میں کیا قباحت ہے تو ان کی طرف سے استدلال میں حنفی فقہ کا یہ عجیب وغریب مسئلہ پیش کیا جاتا ہے کہ اگر کسی مباح کام کو روکا جائے تو پھر اس کا انجام دینا مسلمان پر فرض ہو جاتا ہے۔

گاؤکشی کی بحث وتمحیص کے دوران میں ہمیشہ سے اس غیر منطقی استدلال سے کام لیا جاتا رہا ہے اور اب گذشتہ چار پانچ سال سے یہی دلیل قضیہ مدح صحابہ کے سلسلہ میں شیعوں کے مقابلہ میں پیش کی جارہی ہے۔

اگر ہمارے برادران اہل سنت واقعی اس بنیاد پر کہ ہر مباح روکنے سے واجب ہو جاتا ہے ترک گاؤکشی اور ترک مدح صحابہ کی مخالفت کرتے ہیں تو انھیں دوسرے موقعوں پر بھی اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ورنہ وہ اپنے اس استدلال میں خلوص اور حق بجانب نہ سمجھے جائیں گے۔

انگریز بہادر کے عہد حکومت میں سیکڑوں اور ہزاروں مباح کاموں سے مسلمانوں کو روک دیا گیا ہے لیکن کبھی سُنی مسلمانوں نے اس مسئلہ کو بہانا قرار دے کر انگریزی قوانین کی خلاف ورزی نہیں کی

تعزیرات ہند کی کونسی دفعہ ہے جو احکام شرع پر مبنی اور شریعت
کے منشاء کے مطابق ہے لیکن تمام مسلمان اُس پر بڑی خوشی سے
عمل پیرا ہیں اور اُس کے توسط سے انصاف حاصل کرنے کے لیے
سلطنت جور کی عدالتوں میں جاتے ہیں انھیں کبھی اس کا خیال
نہیں آتا کہ تعزیرات ہند کے ذریعہ سے مباح تو مباح بہت سے واجبات
کو روک دیا گیا ہے ۔ جب روکنے سے مباح واجب ہو جاتا ہے تو واجب
تو بدرجۂ اولیٰ واجب ہو جانا چاہیے ۔ گاؤکشی اور مدح صحابہ صرف ان ہی
دو مسئلوں کے سلسلہ میں اس فقہی مسئلہ پر سختی سے عمل پیرا ہونے میں
کیا راز پنہاں ہے اور کیا سنی مسلمان دیانت داری سے یہ کہہ سکتے
ہیں کہ وہ ہر معاملہ میں اپنی شریعت کے اس مسئلہ پر کاربند ہیں ۔
اگر وہ واقعی اُس پر عمل پیرا ہیں تو پھر تعزیرات ہند کی دفعات کی
خلاف ورزی کے لیے اُسی طرح آمادہ کیوں نہیں ہوتے جس طرح
لکھنؤ میں مدح صحابہ کے سلسلہ میں اور گورکھپور میں قربانی گاؤ کے
سلسلہ میں کیا گیا ۔ اس طرز عمل سے تو ایسا واضح ہوتا ہے کہ اگر آپ کے
کسی مباح فعل پر کسی ایسی کمزور جماعت کی طرف سے صدائے احتجاج
بلند ہو جس کو آپ کے مباح فعل سے صدمہ پہونچ رہا ہے تو اُس کا کرنا
واجب ہو جاتا ہے لیکن اگر کسی قوی دست اور کس بل رکھنے والی

جماعت کی طرف سے آپ کے مباح تو مباح واجبات بھی بجبر روک دیے جائیں تو اسپر کسی مجاہدانہ غیظ و غضب کے مظاہر کی ضرورت نہیں ہے

چونکہ مجتہدین کے احکام نبی کے احکام کی طرح یقینی نہیں ہوتے بلکہ ظنی ہوتے ہیں اسلیے اہلسنت حضرات کے ائمہ اربعہ کے شرعی احکام و ہدایات میں بھی زبردست تفرقہ نظر آتا ہے۔ امام مالک کے نظریات امام ابوحنیفہ کے نظریات سے مختلف ہیں۔ امام شافعی جس طرف گئے ہیں اُس کے برعکس امام حنبل کی روش نظر آتی ہے بہت سے امور جو ایک مسلک میں مباح ہیں دوسرے کے یہاں غیر مباح قرار دیے گئے ہیں۔ اور مباح و غیر مباح کے مسئلہ میں ان چاروں کے درمیان کھُلا ہوا اختلاف دکھائی دیتا ہے۔ امام مالک امام شافعی اور امام حنبل نے ایسے بہت سے کاموں سے مسلمانوں کو روکا ہے جو امام ابوحنیفہ کے نزدیک مباح ہیں لیکن ہمارے سُنی بھائی اس پر کسی قسم کی برہمی کا اظہار نہیں کرتے بلکہ مباح امور کے ان روکنے والوں کو سچا مسلمان سمجھتے ہیں۔ پس ان کے نزدیک گویا مباح امور کی تعریف میں گاؤکشی اور مدح صحابہ ہی آتے ہیں جس کی مخالفت اس شدومد سے ضروری سمجھ لی گئی ہے۔

غرضکہ یہ کہنا بالکل انصاف کے خلاف ہے کہ چونکہ گاؤکشی مباح فعل ہے اور اس مباح کو ہندو روکنے کی کوشش کرتے

ہیں اس لیے سنی مسلمانوں پر اس کا بجالانا واجب ہوجاتا ہے۔
واہ رے استدلال اور واہ ری منطق۔ پیر بھی پھسلتا ہے تو ایسی
جگہ جہاں پیسہ پڑا ہوا ملے۔

ایسی صورتیں شاذ و نادر نہیں ہیں جبکہ مباح امر کی حلت
باقی نہیں رہتی بلکہ وہ غیر مباح ہوجاتا ہے اس سے بڑھکر اگر یہ
کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ بعض ماحول میں واجب بھی واجب نہیں رہتا
بلکہ اس کا ترک بھی ضروری ہوجاتا ہے۔ جو چیزیں حالت صحت میں
کھانا مباح ہوتی ہیں وہ حالت مرض میں غیر مباح ہوجاتی ہیں۔ پانی
پینا مباح ہے اور بعض حالات میں اس کا استعمال وجوب کی حد تک
پہونچ جاتا ہے لیکن جب طبیب حاذق کسی شخص کے لیے اس کو مضر
تجویز کردے تو پھر پانی کا استعمال ناجائز ہوجائے گا کتنی مباح
چیزیں ہیں جن سے اطبار بیمار کو روک دیتے ہیں اور مضرت کی بنا پر
بعض کو تو بمنزلہ حرام کے قرار دیتے ہیں۔ ترکاریاں۔ دالیں گوشت
فواکہات اور غلہ جات سب ہی کھانا مباح ہیں۔ اختلاط جنسی بھی
مباح ہے اور بعض حالات میں واجب لیکن ان اطبار کی ستم ظریفی دیکھیے
کہ وہ نبض پر ہاتھ ڈال کر اور آپ کی داستان علالت سُن کر ان
مباح چیزوں میں کتنی چیزوں کو غیر مباح اور کتنی اشیاء کو حرام قرار

دیدیتے ہیں۔ اروی نہ کھائیے۔ دہی سے اجتناب کیجیے۔ دودھ کو زہر سمجھیے۔ دال ماش سے پرہیز ضروری ہے۔ چاول کی طرف بہت رغبت نہ بڑھائیے اتنے عرصہ تک تجرد کی زندگی بسر کیجیے پانی کے بجائے عرق گاؤزبان پیجیے۔ گھی کا استعمال بہت کم ہونا یا مطلقاً نہ ہونا چاہیئے۔ بس مسلسل تین ماہ تک اُبالے ہوئے شلجم کا پانی خفیف سا نمک ڈال کر غذا کی جگہ استعمال کرتے رہیئے۔

مباح کو واجب کہنے والے حضرات ان اطباء سے کیوں نہیں کہتے کہ تم مباح چیزوں کو ہم سے بجبر ترک کرانے والے کون ہو جس چیز کو خدا و رسول نے مباح کیا ہو وہ تم طبیبوں کے کہنے سے غیر مباح کیسے ہوسکتی ہے اور اگر تم نے ہمارے لیے کبھی اور کسی موقع پر ان مباح اشیاء میں سے کوئی شے بھی ناجائز قرار دی تو ہمارے انوکھے فقہی مسئلہ کی بنا پر اُس کا مسلسل استعمال کرتے رہنا ہمارے لیے واجب ہو جائے گا خواہ اس واجب کی بجا آوری ہمارے لیے خودکشی ہی کے مترادف کیوں نہ ہو جائے۔

ہر بالغ و عاقل پر روزہ رکھنا فرض ہے لیکن اگر اس سے کسی کو بیمار ہو جانے کا یقین ہو یا طبیب حاذق کسی کو روزہ رکھنے کی ممانعت کردے تو پھر روزہ کے متعلق شرعی حکم باقی نہیں رہتا بلکہ اس وقت اس فرض کا ترک فرض ہو جاتا ہے۔

کیا کسی صاحب بصیرت مسلمان کو اتنی جرأت ہو سکتی ہے
کہ وہ طبیب حاذق کے منع کرنے پر اس مباح اور فرض کام کی انجام دہی
پر اصرار کرے - اگر نہیں تو پھر اس نرالی ادا کا گاؤ کشی اور مدح صحابہ
کے ضمن ہی میں کیوں مظاہرہ کیا جاتا ہے طبی احکام کی خلاف ورزی
کیوں نہیں کی جاتی اور یہ کیوں نہیں کہا جاتا کہ کسی امر مباح یا
سُنت رسول میں مزاحمت کی جائے یا اُس کو بجبر روکنے کی کوشش
کی جاوے تو اُس کا عمل وجوب کے درجہ پر پہونچ جاتا ہے طبیب
مباح کو بھی روک دیتا ہے اور واجب و فرض کو بھی - آپ اُس کے
حکم سے کوئی سرتابی نہیں کرتے اور اس فقہی مسئلہ کی اہمیت آپ کی
نظروں میں بالکل باقی نہیں رہتی - آپ اس کے احکام پر اس لیے
کاربند ہونے کو تیار ہو جاتے ہیں کہ وہ آپ ہی کے مفاد اور آپ ہی
کی سود و بہبود پر مبنی ہوتے ہیں - اسی طرح گاؤ کشی کے ترک کی
اس لیے کوشش کی جاتی ہے کہ اُس میں ملکی مفاد اور قومی سود و
بہبود کا راز مضمر ہے جس میں مسلمان بحیثیت ہندوستانی کے
برابر کے شریک ہیں - آپ کو اپنی بھلائی کا لحاظ کرتے ہوئے گاؤ کشی
کے امر مباح کو اُسی طرح ترک کر دینا چاہئے جس طرح آپ اپنی بھلائی
اور بہتری کی خاطر بہت سے دوسرے مباح بلکہ واجب امور کو ترک کر دیتے ہیں

مباح ہو جاتے ہیں۔

عبادت ایک ایسا فعل ہے جس کی اہمیت و حلت ہر شخص کے پیش نظر ہے لیکن بعض حالات میں اس اہم چیز کو بھی روک دیا جاتا ہے اس موقع پر میں اذان قربانی یا نماز کا کوئی ایسا واقعہ مثال میں پیش نہ کروں گا جس سے امن عامہ کو گزند پہنچنے کا اندیشہ لاحق ہوا ہو اور اس مقام کے حکام نے دفعہ ۱۴۴ سے کام لے کر ان کاموں میں سے کسی کام کو روک دیا ہو بلکہ اس جگہ میں اسلامی تاریخ کا ایک صحیح واقعہ پیش کروں گا اور وہ یہ کہ رسول اسلام عبادت و ریاضت کے بہت بڑے شائق تھے اور اس کثرت سے نمازیں ادا کرتے تھے کہ آپ کے پیروں پر ورم آ گیا اور جناب احدیت کو حکم نافذ کرنا پڑا کہ رسول اتنی عبادت نہ کرو جس سے تمہاری جان معرض ہلاکت میں پڑ جائے۔ اس مباح و نیک کام سے خدا نے اپنے رسول کو روک دیا۔ تو کیا اس حکم کے بعد رسول کے لیے وہ سنتی نمازیں ادا کرنا واجب ہو گئیں۔ نہیں بلکہ آپ اس مباح فعل کے ترک کر دینے پر مجبور ہوئے اور اس مباح اور سنتی امر کو واجب نہیں سمجھا۔

ایک نہیں متعدد مثالیں ایسی پیش کی جا سکتی ہیں جبکہ مباح بلکہ واجب کام روکا گیا ہو اور پھر بھی وہ وجوب کی حد میں نہ آیا ہو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ گاؤکشی کا امر مباح روکنے پر کس طرح وجوب کی

حد میں آجاتا ہے۔ ان مثالوں کی موجودگی میں اور مسلمانوں کے دیرینہ اور روزمرہ کے طرزِ عمل کو دیکھتے ہوئے تو مباح و واجب کی بحث ضد اور ہٹ دھرمی پر مبنی معلوم ہوتی ہے اور ایک ایسی دلیل نظر آتی ہے جس کا اسپ لنگ چند قدم بھی آگے بڑھنے کی سکت نہیں رکھتا۔ اس استدلال کا تمام تر وزن گاؤکشی اور بعض صحابہ ہی کے مسلکوں کے ساتھ وابستہ دکھائی دیتا ہے

حقِ ہمسائگی

مسلمانوں سے پیشتر ہندوستان میں ہندو آباد تھے۔ ابتدا میں چند درویشوں اور صوفیائے کرام کو چھوڑ کر جو محض تبلیغی نقطۂ نظر سے ہندوستان میں وارد ہوئے مسلمان بہ حیثیت فاتح اور حملہ آور کے آئے۔ ان میں سے بعض کا مقصد محض لوٹ مار تھا تاکہ ہندوستان کے لاتعداد و لاتحصی مال دولت اور کثیر زر و جواہر سے متمتع ہو سکیں۔ یہی لالچ انھیں اس پر مجبور کرتا رہتا تھا کہ جب سردی کا موسم ختم ہوا اور شمالی مغربی سرحد کی گھاٹیاں برف سے صاف ہو جائیں تو افغانستان و ترکستان کے مسلمان بادشاہ ہر سال جنگجو سوار و پیادہ لے کر ہندوستان پر چڑھائی کریں مزاحمت کرنے والوں کو تہ تیغ کریں اور ہندوؤں کی دولت

لوٹ کر اپنے ملکوں کو واپس ہو جائیں - چنانچہ یہ سلسلہ مدتوں تک جاری رہا - اُس کے بعد مسلمانوں کو ہندوستان میں اپنی سلطنت قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا اور محمد غوری کے دُسرائے قطب الدین ایبک نے ہندوستان میں اسلامی سلطنت کی خشت اول رکھدی -

چونکہ ہندوستان میں مسلمان بحیثیت فاتح کے آئے تھے اس لیے ہندوؤں میں وہ جذبات عناد و تنفر باقی رہے جو ایک مفتوح قوم کو فاتح قوم کے ساتھ فطرتاً ہوتے ہیں - مغل خاندان نے عدل گستری اور انصاف پسندی سے کام لیا - ہندوؤں سے رابطۂ اتحاد استوار و مستحکم کرنے کی کوشش کرتے رہے اور صرف اورنگ زیب کو چھوڑ کر یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مغل بادشاہ ہندوؤں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے رہے لیکن ہندو حضرات کے دل میں جو نفرت و عداوت پیدا ہو گئی تھی وہ اس حسن سلوک کے بعد بھی کسی نہ کسی حد تک باقی رہی - مرہٹوں - راجپوتوں اور سکھوں کی بغاوتیں اس امر کا بین ثبوت ہیں کہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں قومی منافرت کلیتہً دور نہ ہو سکی -

لیکن یہ نہیں ہے کہ تمام مسلمان ہندوستان میں بحیثیت غنیم اور دشمن ہی کے آئے ہوں بلکہ ان کے بہت سے خاندان ایسے بھی ہیں جو اس ملک میں معاند کی حیثیت سے نہیں آئے - خصوصاً حضرات شیعہ جن میں سے بعض تو صرف تلاش معاش کے سلسلہ میں یہاں پہونچے اور بعض اُس وقت نقل وطن اور ہجرت کر کے جبکہ اسلامی ممالک کے مستبد و جابر

حکمرانوں نے ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا اور انھیں جان بچا کر ہندوستان کو اپنا ملجا و ماویٰ بنانا پڑا۔ انھیں معلوم تھا کہ ہندوستان میں اگرچہ مسلمان ہی حکمرانی کر رہے ہیں جن کا تعصب اور مذہبی تنگ نظری ان کو کھلم کھلا وہاں کبھی زندگی بسر نہ کرنے دے گا لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ یہ بھی ... جانتے تھے کہ ہندوستان میں ہندوؤں کی مہذب مہمان نواز اور خلیق قوم بھی آباد ہے جس کی ہمسائگی ان کے تکالیف و مصائب میں کمی کا باعث ہو سکتی ہے۔ اور چونکہ ایک مظلوم کا دوسرے مظلوم کے ساتھ ہمدردی کرنا فطری ہوتا ہے اس لیے ممکن ہے کہ ہندو اپنے مصائب و شدائد کا احساس کرتے ہوئے شیعہ جماعت سے ہمدردی کریں جو عرصہ سے تعصب کی چکی میں بے دردی کے ساتھ پیسی جا رہی تھی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کو بھی جب کو یزیدی فوجوں نے کربلا کے میدان میں ہر چہار طرف سے گھیر لیا تھا تو آپ نے اس کے سپہ سالار عمر سعد کے سامنے دو صورتیں پیش کی تھیں کہ وہ یا تو انھیں یزید کے پاس دمشق جانے دے تاکہ وہ اس سے خود بالمشافہ گفتگو کریں اور یا ہندوستان کی طرف نکل جانے دے تاکہ پھر آپ کی ذات سے اسے اور اس کے ولی نعمت یزید کو کوئی اندیشہ ہی باقی نہ رہے جان کے دشمن بنی ہے امام مظلوم سمجھتے تھے کہ ہندوستان میں جو قوم آباد ہے وہ اگرچہ

مسلمان نہیں ہے لیکن پھر بھی یزیدی مسلمانوں سے زیادہ بہتر ہے جن کی
وجہ سے اسلام مسخ ہوتا جارہا ہے اور اسلامی اسپرٹ فنا ہورہی ہے۔
آپ جس قوم کی طرف آنا چاہتے تھے وہ تہذیب، اخلاق اور شرافت
نفس میں ان مسلمانوں سے بہتر تھی جو نانا کا کلمہ پڑھکر اُس کے نواسہ کو
قتل کر رہے تھے اور شریعت اسلامیہ کی پامالی پر کمربستہ تھے۔ اگر حسینؑ
مظلوم ہندوستان آجاتے تو ہندوؤں کی مہمان نوازی سے یقین ہے
کہ وہ حضور کا پُرتپاک خیر مقدم کرتے اور ان کا بزرگ پرستی کا جذبہ انہیں
آپ کے انتہائی احترام اور بزرگداشت پر مجبور کرتا۔
حسینؑ ہی نہیں بلکہ ان کے نانا حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ
وآلہ وسلم کا قلب مبارک بھی ہندوستان کی طرف کھنچتا تھا اور آپ کو
ہندوستان کے رُخ سے ٹھنڈی ہوا محسوس ہوا کرتی تھی۔ غرضکہ ہندوستان
کے یہ نادیدہ عاشق اُس زمانہ میں بھی ہندوستان کے مداح تھے۔ اس لیے
نہیں کہ وہ اُسے سونے کی چڑیا سمجھتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ وہاں کے
مندروں اور عبادت گاہوں کے زروجواہر لوٹیں اور ایک پُرامن قوم
کے سکون وچین پر صاعقہ بن کر گریں بلکہ وہ نادیدہ طور پر اہل ہند کے
اخلاق حسنہ اور اوصاف پسندیدہ کے شیدائی تھے اور یہی وجہ تھی کہ

میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

ہندوستان سے جناب ختمی مرتبت کی یہ غائبانہ محبت ہی ہوگی جسکی بنا پر حضرت امام حسینؑ کو ہندوستان چلے جانے کا خیال پیدا ہوا۔

حسینؑ! افسوس ہے آپ کو ہندوستان آنے کا موقع نہ دیا گیا۔ اگر آپ آگئے ہوتے تو ایک طرف اسلام کا نہ بانی دعویٰ کرنے والوں کی پیشانی پر آج کلنگ کا یہ دھبہ دکھائی نہ دیتا جو آپ کی خونچکاں شہادت سے لگ گیا ہے اور جس کے باعث وہ رہتی دُنیا تک بدنام و رسوا رہیں گے دوسری طرف حضورؐ کو ہندوؤں کی مہماں نوازی اور خلق و مدارا کے عملی طور پر تجربہ کرنے کا بھی موقع مل جاتا۔ آپ کی تشریف آوری پر یہ نیک خصلت اور نرم دل قوم اپنے دیدہ و دل کو فرش راہ بنانے میں دریغ نہ کرتی۔ اس کا یقین اس لیے ہوتا ہے کہ آپ کی شہادت کے صدیوں بعد جب شیعوں نے مختلف صورتوں سے ہندوستان آکر آپ کی شہادت کی یادگاریں قائم کیں اور عزاداری کی داغ بیل ڈالی تو غیر شیعہ مسلمانوں سے زیادہ ہندوؤں نے اس میں شغف و انہماک دکھایا۔ تعزیہ داری اور عزاداری پر ہزاروں روپیہ ہر سال دریا دلی سے خرچ کیا۔

حسینؑ آپ نے تو ہندوستان آنے کا صرف ارادہ ہی ظاہر کیا تھا جو پورا نہیں ہونے دیا گیا لیکن اس حساس اور شریف النفس قوم کا جذبہ مہماں نوازی قابل ملاحظہ ہے کہ ایک ایسے مہمان کی خاطر و مدارات

وہ سیکڑوں برس بعد بھی ہزاروں روپیہ خرچ کرتی ہے جس نے ہندوستان آنے کا کبھی ارادہ ظاہر فرمایا تھا حسین ایہاں آپ تو نہ آسکے لیکن آپ کا نام آیا آپ کا ذکر آیا اور آپ کے واقعات شہادت آئے - اگر ہندوؤں کو آپ کی مہمانداری کرنے کا موقع میسر نہ آیا تھا تو انھوں نے آپ کے تذکروں کو اپنا مہمان بنایا اور اس گئی گزری حالت میں جبکہ قربانی - پیپل - باجہ اور ناقوس کے مسائل نے ہندو بھائیوں کو مسلمانوں سے منغص و مکدر بنا رکھا ہے اب بھی بڑی فیاضی اور عقیدت سے وہ آپ کے نام کی یادگار منانے میں بخل سے کام نہیں لیتے - یہ ہندوؤں کی انتہائی رواداری اور مظلوم دوستی ہے کہ وہ ایک ایسے ہیرو کے ساتھ اظہار عقیدت کرتے ہیں جس سے ان کا براہ راست کوئی مذہبی تعلق نہیں رہا ہے لیکن حسینؑ کی یہ انتہائی صداقت و حقانیت ہے کہ آپ کا غیر قومیں بھی تہ دل سے احترام کرتی ہیں -

بہرحال میں یہ کہہ رہا تھا کہ مسلمان عموماً اور شیعہ خصوصاً ہندوستان میں مہمان کی حیثیت سے آئے - اس لیے میزبانوں کو اپنے فرائض میزبانی اور مہمانوں کو اپنے فرائض مہمانی کا لحاظ رکھنا چاہیے اور کسی کی طرف سے ایسی کوئی بات ظہور میں نہ آنا چاہیے جو

دوسرے کی دل آزاری اور ملال کا باعث ہو خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ مہمان بنے رہتے رہتے گھر کے ممبر کی حیثیت اختیار کر لی ہو۔ ہندو اگر مسجد کے سامنے باجا بجاتا ہے تو اس سے مسلمانوں کی اتنی دل آزاری نہیں ہوتی جتنی دل آزاری ہندوؤں کی گئو ہتیا سے ہوتی ہے۔ کیا بہ حیثیت مہمان کے مسلمانوں کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ اس فعل سے اجتناب کریں جو اپنے معزز میزبان کی دل آزاری کا باعث ہوتا ہے۔
خدا کی قسم جب میں ہندو مسلمانوں کی مخلوط آبادی میں گائے کے گوشت کے سر پر ٹوکرے لیے ہوئے قصائیوں کو یہ آواز لگاتے سنتا ہوں کہ "گوشت گائے کا" "گوشت کلہ کا" "بٹ کلیجی گائے کی" تو میں شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہوں اور اس مسئلہ میں میری تمام ہمدردیاں ہندوؤں کے ساتھ ہو جاتی ہیں۔ رواداری کا کیسا اچھا مظاہرہ ہے اور ہمسایہ کے جذبات کا کتنی خوبصورتی سے احترام کیا جاتا ہے!!
گاؤ کشی مباح سہی۔ قربانی گاؤ مسلمانوں کا مذہبی حق سہی لیکن حق ہمسائگی بھی کوئی چیز ہے۔ مذہب اسلام میں تو ہمسایہ کے بڑے حقوق رکھے گئے ہیں۔ لیکن گاؤ کشی کے "مذہبی حق" کو اتنا اہم سمجھ لیا گیا ہے کہ اس کے مقابلہ میں حق ہمسائگی کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ اصرار ہے کہ اجودھیا۔ متھرا اور کاشی کی سرزمین پر جب

ہندو مذہب میں انتہائی مقدس خیال کیا جاتا ہے مسلمان اپنے اس مذہبی حق کو ضرور حاصل کریں گے اور خواہ ہندوؤں کے قلب پر چھری ہی کیوں نہ چل جائے وہ انھیں مقامات پر گائے ذبح کریں گے۔ میں اپنے شیعہ بھائیوں سے خصوصاً اور دوسرے حق پسند مسلمانوں سے عموماً اپیل کروں گا کہ وہ اس نسخ ذہنیت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں اور جو افتراق پسند افراد ایسے بے محل طریقۂ گاؤکشی کے مذہبی حق کو حاصل کرنے پر اصرار کرتے ہیں ان سے کوئی ہمدردی نہ کریں بلکہ اس معاملہ میں پوری قوت سے ہندوؤں کا ساتھ دیں۔ اگر اجودھیا۔ متھرا۔ کاشی یا کسی ایسے ہی دوسرے مقام کے بوچڑ خانوں پر ہندوؤں کی طرف سے ستیہ گرہ ہو تو میں اعلان کرتا ہوں کہ مسلمانوں میں میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جو ستیہ گرہیوں کے جتھے میں شرکت کروں گا اور اپنے عمل سے یہ دکھا دوں گا کہ مسلمانوں میں بھی ایسی ہستیاں موجود ہیں جو مظلوم کا ساتھ دیتی ہیں اور حق و صداقت خواہ کسی جماعت کے ساتھ ہو اُس کو نظر انداز نہیں کرتیں۔

ہندوستان کی امن و عافیت زیادہ تر گاؤکشی کے ترک و انسداد پر موقوف ہے اگر آج یہ اشتعال خیز اور فساد انگیز رسم بند ہو جائے تو ان بلووں اور فسادات کا جو آئے دن طول و عرض ملک میں رونما ہوتے

رہتے ہیں بڑی حد تک سد باب ہو سکتا ہے۔

لیکن مسلمانوں نے صرف ذرا سے مزہ کی خاطر امن عامہ کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور یہ خیال نہیں کرتے کہ ان کے اس فعل سے ملک کے امن و سکون کو کتنا نقصان پہونچ رہا ہے۔ ہر سال فرقہ وارانہ بلووں اور ہنگاموں میں سیکڑوں ہزاروں انسانی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں ایک طرف گایوں کا ضیاع جان اور دوسری طرف انسانوں کے اتلاف جان کے ساتھ ضیاع مال قومی و ملکی نقطہ نظر سے جتنا بھی نقصان رسانی کا باعث ہو رہا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

اسلام امن و سلامتی کا پیغام لے کر آیا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ بلا امتیاز نسل و رنگ تمام بنی نوع انسان کو اخوت و مساوات کی لڑی میں منسلک کر دے لیکن قرن اولیٰ میں اسلام کی بساط سیاست پر جن مُہروں کو کام کرنے کا موقع ملا انھوں نے اسلام کی اصلی اسپرٹ کو باقی نہ رہنے دیا اور جاہل عربوں کو یہ باور کرایا کہ دُنیا کی تمام دولت و نعمت سے مستفید ہونے کا استحقاق صرف اُنھیں کو حاصل ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگجو عرب جو ابتدا سے قتل و غارت کے عادی تھے ہمسایہ سلطنتوں پر قہر خدا بن کر جا گرے اور ان کے جائداد و املاک اور مال و متاع پر قبضہ کر لیا۔ رسولؐ اسلام کی تعلیم یہ نہ تھی کہ مسلمانوں کی طرف سے

جارحانہ اقدامات کیے جائیں اور گردونواح کے ممالک کے امن وسکون کو غارت کر ڈالا جائے چنانچہ خود عہد نبوی میں جتنی لڑائیاں ہوئیں وہ جارحانہ نہ تھیں بلکہ مدافعانہ حیثیت رکھتی تھیں اگر پیرے اس دعوے کی صداقت و عدم صداقت جانچنا ہے تو اُن لڑائیوں کے نقشۂ جنگ اور جائے وقوع پر نظر ڈالیے جو عہد رسالت میں واقع ہوئیں۔ اگر یہ لڑائیاں حدود مدینہ کے قریب نظر آئیں تو سمجھیے کہ رسول چڑھ کر نہیں گئے بلکہ آپ نے مدافعت فرمائی۔

لیکن آپ کے عہد معدلت مہد کے بعد وہ نقشہ ہی پلٹ گیا صحرا نشین عرب قیصر وکسریٰ کے ملکوں پہ بلائے آسمانی کی طرح جا گرے اور ان کے خرمن امن کو اپنی تلوار کی آتش باریوں سے جلا کر خاکستر کر ڈالا پھر تو یہ ایک دستور ہو گیا کہ ہر امن پسند ملک پر مذہب کے نام سے لشکر کشی شروع ہو گئی اور جس قوم کو چاہا جہاد کی آڑ لے کر پامال کر ڈالا گیا اس ہوس ملک گیری کو اسلام اور تعلیمات اسلام سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ فتوحات کے دلدادہ اور حوصلہ جو مسلمانوں کے اس امن کش طرز عمل نے دُنیا والوں کو یہ سمجھنے کا موقع دیا کہ شاید اسلام ان کے ان غیر مستحسن اقدامات کا مؤید ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس تھی اور وہ یہ نہ چاہتا تھا کہ امن و عافیت سے زندگی بسر کرنے والی قومیں

اس طرح قتل و غارتگری کا نشانہ بنائی جائیں یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے ان افعال سے جو انھوں نے اسلام کے نام پر غلط فائدہ اُٹھا کر اور محض اپنے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے کیے اسلام کو غیر قوموں کی نظروں میں سبک و رسوا کر دیا۔ اگر واقعی اسلام کو انھیں لائنوں پہ چلایا گیا ہوتا جن پہ رسول اسلام چلانا اور چلایا جانا چاہتے تھے تو آج نقشہ ہی بدلا ہوا نظر آتا لیکن رسول کے بعد اسلام کے چلانے والوں نے مسلمانوں کی ذہنیت کو جس سانچہ میں ڈھال دیا اسے قابل رحم نہیں کہا جا سکتا ابتدائی درس ہی کا یہ اثر تھا کہ عام مسلمانوں میں غیر ذمہ دارانہ ذہنیت پیدا ہو گئی جس کا مظاہرہ آج تک ہوتا ہوا دیکھا جا سکتا ہے۔ اور جس کے باعث مسلمانوں کی ضد۔ ہٹ دھرمی اور تعصب و تنگ نظری نے اتحاد و اتفاق کی قیمت و اہمیت کو کم کر دیا ہے۔ اسی دیرینہ ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ آج مسلمان گاؤکشی کی مضرتوں کو جاننے کے باوجود بھی اس کے ترک پر اس لیے آمادہ نہیں ہوتے کہ اس کے بعد ہندوؤں کی دل آزاری کا سب سے بڑا موقع ہاتھ سے جاتا رہے گا فتنہ و فساد کو دعوت دینے والے اس پر مصر ہیں کہ وہ گاؤکشی اور قربانی گاؤ کے حقوق سے دستکش نہ ہوں گے بلکہ وہ ہندوؤں کو چڑھانے کے لیے ایسے مقامات پہ قربانی گاؤ کے حق پر ضد کرتے ہیں جہاں کبھی گائے ذبح نہ ہوئی ہو اور جہاں زیادہ تر ہندو حضرات

آباد ہوں۔ عید قرباں کے موقع پر گائے کو سجا کر اس پر قیمتی دو شالہ ڈال کر اور اُسے جلوس اور باجہ کے ساتھ مذبح تک قربانی کے لیے لیجانا کیا دیدہ و دانستہ ہندوؤں کے مذہبی جذبات کو صدمہ پہونچانا نہیں ہے بھیڑ ہے۔ دُنبہ۔ بکری اور بھیڑ سب ہی کی قربانی ہو سکتی ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ ان جانوروں کے ہوتے گائے کی ہی قربانی کی جائے۔ اس اصرار سے تو دوسروں کو یہ شبہ کرنے کا موقع دیا جاتا ہے کہ مسلمان صرف فتنہ و فساد کی خاطر گائے کی قربانی کرنے پر ضد کرتے ہیں۔

ہندو خود کو اہنسا کا سب سے بڑا علمبردار ظاہر کرتا ہے۔ اور اس کے نزدیک چھوٹے سے چھوٹے جانور حتی کہ موذی جانوروں تک کو مارنا مہاپاپ ہے لیکن جب وہ مسلمان کے مقابلہ میں آتا ہے تو اس کی تمام نرم دلی اور اہنسا کا دعویٰ ختم ہو جاتا ہے اور وہ خونخوار بھیڑیے کی طرح کمزور۔ بوڑھے اور نہتے مسلمان پر حملہ کر دیتا ہے۔ سال کے تین سو پینسٹھ دن ہزاروں گائیں ملک بھر میں ذبح ہو جاتی ہیں۔ بازاروں میں گائے کے گوشت کی دوکانیں کھلی ہوتی ہیں۔ پھیری والے آواز لگا کر گائے کا گوشت بیچتے ہیں۔ مذبح سے دوکانوں تک ٹھیلوں اور مزدوروں کے سروں پر گائے کا گوشت لیجایا جاتا ہے لیکن ہندوؤں کو کبھی اس سے کوئی ناگواری نہیں ہاں اگر ہوتی ہے تو اس ایک گائے سے جس کی

عید الضحیٰ کے موقع پر کوئی مسلمان قربانی کرتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ سال میں صرف ایک دن وہ گائے کے ذبح کیے جانے سے کیوں چڑھتے ہیں اور سال کے بقیہ ایام میں وہ کس طرح روادار بنے رہتے ہیں اور گاؤکشی کو ٹھنڈے دل سے گوارا کیے رہتے ہیں۔ ان کے اس طرز عمل سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انھیں گائے کی کوئی واقعی محبت و عزت نہیں ہے بلکہ صرف وہ مسلمانوں کی ضد میں قربانی گاؤ میں مزاحمت کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں سے بجبر اس فعل کے ترک کرانے پر آستینیں چڑھا لیتے ہیں۔

اگر ہندو حضرات واقعی گائے کا تحفظ چاہتے ہیں اور ان کی دلی خواہش ہے کہ ہندوستان ان نقصانات سے محفوظ ہو جائے جو گاؤکشی کی وجہ سے پہونچ رہے ہیں تو انھیں چاہئے کہ وہ اپنے اس رویہ کو جلد سے جلد چھوڑ دیں جو گئو رکشا کے سلسلہ میں اختیار کیے ہوئے ہیں۔ نہایت نرمی و آشتی اور صلح پسندی سے کام لے کر مسلمانوں کو اس پر آمادہ کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ خود ہی گاؤکشی ترک کر دیں۔ جس ڈھنگ سے ہندو اب تک اس سلسلہ میں کوششیں کرتے رہے ہیں اس سے کوئی مفید نتیجہ نکلنے کے بجائے منزل مقصود دور ہوتی جا رہی ہے۔ اگر وہ زبردستی مسلمانوں سے گاؤکشی ترک کرانا چاہیں تو آج ایسا وہ قیامت تک بھی کامیاب نہ ہوں گے بلکہ مسلمانوں کی ضد بڑھتی رہے گی اور

وہ بجز اپنے اس فعل سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہ ہو سکیں گے۔
ہندوؤں کے غیر مآل اندیشانہ طرز عمل کی وجہ سے اب تک انسداد گاؤکشی
کا مسئلہ ناممکن بنا ہوا ہے اگر طریقہ کار میں تھوڑی سی ترمیم کردی جائے تو
یہ ناممکن چیز ممکن ہو سکتی ہے اور برسوں کی منزلیں گھنٹوں میں طے کی جا سکتی ہیں۔
مسلمان جب یہ دیکھتے ہیں کہ سال کے ۳۶۵ دن برابر گاؤکشی ہوتی
رہتی ہے اور ہندو اس سے کوئی ناگواری محسوس نہیں کرتے بلکہ جو کچھ جھگڑے
ہوتے ہیں وہ صرف عید قرباں کے موقع پر تو ان کو بجا طور پر یہ سمجھنے کا موقع
ملتا ہے کہ ہندو انھیں ان کے شہری اور مذہبی حق سے محروم کردینا چاہتے ہیں
اور ان کا یہی خیال ہے جو انھیں گاؤکشی کے ترک پر آمادہ نہیں ہونے دیتا
ہندوؤں کو چاہئے کہ وہ قربانی کی گائے سے چڑھنا چھوڑ دیں اور مسلمانوں
کو اپنے سے بدظن ہونے کا موقع نہ دیں۔ انھیں پروپیگنڈے کے جائز اور
پرامن طریقوں سے انسداد گاؤکشی کی مہم کو سر کرنے کی ضرورت ہے۔
بلوؤں اور ہنگاموں کے ذریعہ نہ اب تک کامیابی ہوئی ہے اور نہ آئندہ
ہو سکتی ہے۔

گاؤکشی میں مسلمان ہی منفرد نہیں ہیں بلکہ بعض اچھوت ذاتیں بھی
عیسائی اور یہودی حضرات بھی گائے کا گوشت کھانے کے عادی ہیں
لیکن ہندو دوسری جماعتوں سے اس کی وجہ سے کبھی برسر پرخاش نہیں

ہوتے بلکہ ان کا سارا غصہ مسلمانوں اور صرف مسلمانوں پر ظاہر ہوتا ہے۔ اگر
گائے کے گوشت کا استعمال ہی وجہ مخاصمت ہے تو ہندوؤں کے غم و غصہ کا
مسلمانوں کی طرح اچھوتوں۔ ویسی عیسائیوں یورپی حضرات اور گورہ فوج
کو بھی نشانہ ہونا چاہئے تھا لیکن واقعات شاہد ہیں کہ ہندوؤں کے
غصہ سے سوائے مسلمانوں کے دوسرے مذکورہ گروہ قطعاً مصئون و مامون
ہیں گائے کا گوشت استعمال کرنے والی ان جماعتوں کے مابین ہندوؤں کا
غیر مساویانہ سلوک روا رکھنا کیا مسلمانوں کو بدگمانی کا موقع نہیں دینا۔
حالانکہ اگر ملک میں گاؤکشی کا کلی انسداد ممکن ہو سکتا ہے تو صرف مسلمانوں ہی
کی رضامندی ہے۔ اگر انھیں اس پر رضامند کر لیا گیا تو پھر دوسری
جماعتوں کو اس کا کوئی موقع باقی نہ رہے گا کہ وہ گائے کا گوشت
استعمال کرتے رہیں۔ یہ بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ گاؤکشی کا انسداد
مسلمانوں کی رضامندی سے ممکن ہے اور مسلمانوں کا رضامند ہونا
ہندوؤں کے روادارانہ طرز عمل پر موقوف ہے اس طرح گویا اس
مسئلہ کی کامیابی و عدم کامیابی ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے اور مجھے تو
یقین کامل ہے کہ اگر ہندو سمجھ سے کام لیں اور اپنے طرز عمل میں ذرا سی
تبدیلی کر دیں تو گاؤکشی مستقبل قریب میں بند ہو سکتی ہے۔ تجربہ و شاہد
گواہ ہے کہ اگر گاؤکشی کی رسم بند ہو سکتی ہے تو محض باہمی رواداری اور

حسن سلوک ہے۔ تحریک ترک موالات کے زمانہ میں جبکہ ہندو مسلم اتحاد انتہائی ترقی پر تھا مسلمان گاؤکشی بند کرنے پر خود بخود بغیر کسی تحریک کے آمادہ ہوگئے تھے چنانچہ مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی نے قربانی گاؤ کے ترک کرنے کا فتوی شائع کیا جس پر گاندھی جی نے ۸ ستمبر ۱۹۱۹ء کو مولانائے مرحوم کے نام مبارکباد کا تار بھی دیا تھا۔ مولانا عبدالباری صاحب کے علاوہ بعض دوسرے علمائے اہلسنت نے بھی گائے کے گوشت سے پرہیز کرنے کا فتوی صادر کیا اور ان فتووں کا اثر عام مسلمانوں پر بہت خوشگوار ہوا اُس زمانہ میں عید قرباں کے موقع پر بہت کم گائیں ذبح ہوئیں بلکہ ان کے بجائے بکری بھیڑ کی قربانیاں کی گئیں۔ ایسی صورت میں سمجھ میں نہیں آتا کہ ہندو اُس سابقہ طریقہ سے کام کیوں نہیں لیتے جو نتائج کے لحاظ سے بہت پر اثر ثابت ہو چکا ہے۔ اور ایسے طریقے کیوں اختیار کیے ہوئے ہیں جنھوں نے انسداد گاؤکشی کو ناممکن بنا رکھا ہے۔ اس ضمن میں جتنی تاخیر ہو رہی اور یہ مسئلہ منزل مقصود سے جتنا بعید ہوگیا ہے اُس کی تمامتر ذمہ داری ہمارے ہندو بھائیوں کے غلط طرز عمل پر عائد ہوتی ہے۔

مسلمانوں کو وطن پرستی کا زبردست دعوی ہے اور وہ زبان سے بھی اس کا ادعا کرتے ہیں کہ دُنیا کی تمام قوموں میں وہ سب سے زیادہ

رواداری ہیں۔ لیکن گاؤکشی پر ان کا مسلسل اصرار ان کے ان دونوں
دعووں کی تکذیب کر رہا ہے۔ ہندوؤں کے مذہبی جذبات کا لحاظ نہ
کر کے مسلمان اپنے دعویٰ رواداری کو باطل کر رہے ہیں اور ان
اقتصادی و معاشرتی فوائد کو نظر انداز کر کے جو انسداد گاؤکشی سے
حاصل ہو سکتے ہیں اپنے جذبۂ وطن پرستی کو داغدار بنا رہے ہیں۔
مسلمانوں کو سمجھنا چاہیئے کہ انھیں اسی سرزمین پر رہنا اور
اسی پر مرنا اور دفن ہونا ہے ایسی حالت میں ضرورت اس کی
داعی ہے کہ ایسا ماحول پیدا کیا جائے جس میں ہندوستان کی
مختلف قومیں امن و سکون سے زندگی بسر کر سکیں اور کسی فریق کی
طرف سے کوئی ایسی بات سرزد نہ ہونا چاہیئے جو دوسروں کو صدمہ
پہونچائے اور ان کی قلبی تکلیف کا باعث ہو۔ ملک میں بسنے والی
مختلف جماعتیں اسی وقت خوشگوار طریقہ پر زندگی بسر کر سکتی ہیں جبکہ
ہر ایک جماعت دوسری جماعت کے مذہبی و قومی جذبات کا احترام
کرے اور جماعتی حیثیت سے دوسرے پر تفوق و برتری حاصل
کرنے کا خیال چھوڑ دے۔ گاؤکشی ترک کر دینے سے وہ تمام مضرتیں
دور ہو جائیں گی جو وہ اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ اسی طرح
وہ فوائد حاصل ہو سکیں گے جو انسداد گاؤکشی کا لازمی نتیجہ ہیں

اس میں محض ہندوؤں ہی کا مفاد نہیں ہے بلکہ مسلمان بھی اس میں برابر کے شریک ہیں اس وقت گاؤکشی سے جس طرح ہندوؤں کو معاشرتی و اقتصادی نقصانات پہونچ رہے ہیں اسی طرح مسلمانوں کو بھی۔ گاؤکشی بند ہو جانے کے بعد جس طرح ہندوؤں کو فوائد پہونچیں گے اُسی طرح مسلمانوں کو بھی۔

اگر وقار قومی کا خیال چھوڑ کر مسلمان اس مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور کریں تو انھیں معلوم ہوگا کہ گاؤکشی نہ اقتصادی حیثیت سے سود مند ہے نہ صحت کے اعتبار سے۔ نہ اخلاقی نوعیت سے فائدہ رساں ہے اور نہ مذہبی نوعیت سے۔

مسلمان گاؤکشی کی رسم کے باقی رکھنے پر سب سے زیادہ مذہبی خیال پر اصرار کرتے ہیں اُسے اپنا مذہبی حق سمجھتے ہیں اور اس کے روکنے کی کوششوں کو اپنے مذہبی حق میں دست اندازی تصور کرتے ہیں لیکن علت کی بنیاد کوئی ایسی زبردست بنیاد نہیں ہے جس کے مقابلہ میں قومی مفادات اور ملکی مصالح کو نظرانداز کر دیا جائے اور جبکہ اس مسئلہ کی مذہبی حیثیت بھی کوئی زیادہ وزن نہ رکھتی ہو بلکہ ترک گاؤکشی کے مذہبی حیثیت سے زیادہ مؤیدات موجود ہوں چنانچہ تفسیر درمنثور میں جناب رسالت مآب سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے

اکرموا البقرۃ فانہا سید البہائم یعنی گائے کی بزرگداشت کرو اس لیے کہ وہ تمام چوپاؤں کی سردار ہے۔

غور طلب یہ امر ہے کہ حضرت خاتم النبیین نے گائے کو سید البہائم کیوں کہا اور اس کی بزرگداشت و تکریم کی کیوں ہدایت فرمائی عقلی حیثیت سے اگر فکر و غور کیا جائے تو اس کی بظاہر وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ دنیا کے تمام جانوروں سے زیادہ بنی نوع انسان کے لیے یہی جانور سود مند ہے اور خصوصاً اس ملک کے لیے جس کے باشندوں کا انحصار زیادہ تر زراعت ہی پر ہو۔ گائے خود دودھ دیتی ہے جو انسان کی صحت و تندرستی قائم رکھنے کے لیے آب حیات سے کم نہیں۔ تمام جانوروں میں اسی کا دودھ اس قابل ہے کہ اسے حالت صحت اور حالت مرض دونوں میں استعمال کیا جا سکے۔ شیر خوار بچے جن کو کسی وجہ سے ماں کا دودھ نہیں ملتا ان کے لیے بہترین نعم البدل گائے کا دودھ ہوتا ہے۔ اس دودھ میں نباتی و معدنی اجزاء بہت زیادہ مقدار میں ہوتے ہیں اس عمر تک جب کہ انسان میں نشوونما کی صلاحیت رہتی ہے اگر گائے کا دودھ بدولت سے استعمال کیا جاتا رہے تو جسم میں طاقت آتی ہے۔ ہڈی مضبوط اور چوڑی ہوتی ہے جسم میں کافی نمو ہوتا ہے۔ اعضائے وجوارح حیرت انگیز طریقہ پر پرورش پاتے ہیں۔ دماغ میں قوت آتی ہے۔ ذکاوت

پیدا ہوتی ہے اور حافظہ خوب ترقی کرجاتا ہے۔

جس طرح گائے گوناگون فوائد کی خزینہ دار ہے اسی طرح بیل بھی بے شمار منافع کا منبع۔ ہندوستان میں کاشتکاری کا تمام تر دارمدار بیل ہی پر ہے جس وقت سے کسان کا ارادہ کاشت عملی حیثیت سے ظہور پذیر ہوتا ہے اُسی وقت سے بیل اپنے فرائض انجام دینا شروع کردیتا ہے اور جس وقت تک تمام فصل ازاول تا آخر تیار کرکے کھلیاں سے کاشتکار کے گھر نہ ڈال دے ایک منٹ کے لیے کاشتکاری کے کاموں سے فرصت نہیں پاتا۔ کاشتکاری کے علاوہ وہ باربرداری کا کام بھی کرتا ہے۔ بوجھ ڈھوتا ہے۔ گاڑیاں کھینچتا ہے اور انسان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچاتا ہے۔

انھیں اوصاف وخصوصیات کی بنا پر سید البشر نے اس چوپایہ کو سید البہائم کا خطاب عطا کیا ہے اور انھیں فوائد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی عزت وتکریم کی ہدایت فرمائی ہے۔

گائے کی طرح گدھے اور گھوڑے کا گوشت کھانا بھی مباح ہے لیکن ان دونوں جانوروں کے گوشت کا کھانا کیا معنی مسلمان چھوتے تک نہیں۔ اور اگر کسی گوشت کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ وہ گدھے یا گھوڑے کا ہے تو باوجود حلال ہونے کے کوئی مسلمان بھی

اس کے کھانے پر تیار نہ ہوگا۔ ان کے گوشت کے استعمال کا
رواج اس لیے نہ ہوسکا کہ یہ دونوں جانور بار برداری اور سواری کے
کام آتے ہیں۔ اگر ان کے ذبیحہ کا رواج عام ہوجاتا تو بار برداری
اور سواری کے کاموں میں سخت اختلال پیدا ہوتا اور انسان
کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

لیکن اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو بیل مذکورہ دونوں
جانوروں سے زیادہ کارآمد ہے۔ یہ وہ کام کرتا ہے اور کرسکتا ہے
جو گھوڑے اور گدھے سے ممکن نہیں۔ نر بار برداری اور سواری
کا کام دیتا ہے اور مادہ دودھ کا سرچشمہ ہوتی ہے۔ ان خصوصیات
کے اعتبار سے گائے دنیا کے تمام جانوروں میں سب سے زیادہ مفید
و کارآمد ہے اور اگر ان فوائد و منافع کی بنا پر جناب رسالت مآب
نے گائے کو تمام جانوروں کا سردار بتایا اور اس کی تعظیم و تکریم کا
حکم دیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

دوسرے مباح و حلال جانوروں کے ساتھ تو یہ سلوک کہ معمولی
فوائد کی بنا پر ان کے گوشت کو بمنزلہ حرام سمجھا جائے اور اُس
جانور کے ساتھ جس کی خوبیوں کو دیکھتے ہوئے سید العرب نے اُسے
تمام جانوروں کا سردار بتائیں اور اس کی تکریم کا حکم دیں یہ طرز

عمل اختیار کرنا کہ اُسے روزانہ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں کاٹ کر اپنا طعمہ دہن بنائیں حد درجہ تعجب خیز ہے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ ہماری ہمسایہ قوم اُس کا احترام کرتی اور تمام جانوروں سے اُس کا مرتبہ بلند سمجھتی ہو اور پھر گائے کے متعلق اُس کا یہ نظریہ حدیث نبوی کے عین مطابق بھی ہو۔ اس کے ماسوا جب کہ گائے کا گوشت فوائد سے بھی معرا ہو بلکہ اُس میں مضرتیں ہی مضرتیں دکھائی دیتی ہوں۔ ایک حدیث میں گائے کے دودھ کو شفا اور اُس کے گوشت کو بیماری بتایا گیا ہے اور دوسری حدیث کے ذریعہ اُس کو سید البہائم کہا گیا ہے۔ ان دونوں حدیثوں کی روشنی میں ذبیحہ گاؤ کی قطعاً ہمت افزائی نہیں ہوتی بلکہ اُس کی محافظت نسل کی تاکید ظاہر ہوتی ہے۔ ان دونوں حدیثوں کی موجودگی میں ذبیحہ گاؤ پر اصرار کرنا گویا منشائے رسول سے بغاوت کرنا ہے۔ اور گاؤ کشی ایک ایسی رسم ثابت ہوتی ہے جس کی تائید مذہبی۔ اقتصادی۔ زرعی معاشرتی۔ تمدنی کسی اعتبار سے بھی نہیں ہوتی۔

جس چوپائے کی تکریم و منزلت کی رسول نے اس درجہ ہدایت کی ہو اس کا احترام مسلمانوں کو بھی کرنا اور اپنے طرز عمل سے اس کا ثبوت دینا چاہئے کہ وہ رسول کے منشار کو عزیز رکھتے ہیں۔ اب تک

مسلمانوں کا طرز عمل رسول کی ہدایت کے برعکس رہا ہے بہرحال وہ اگر اب تک اس کا موقع نہ پا سکے تھے تو آئندہ اس کی طرف توجہ کریں اور رسولؐ کی ہدایت کی خلاف ورزی کر کے رسول کی حدیث کو اپنے طرز عمل سے سبک نہ بنائیں۔

غرضکہ اگر ملک میں گاؤکشی بند ہو جائے تو آئے دن کے فتنوں کا سدّباب ہو جائے گا اور ہندو مسلمانوں میں پوری یکجہتی قائم ہونے کے بعد اس کے مواقع مل سکیں گے کہ مشترکہ قوت سے وطنی تحریک کو کامیابی کی آخری منزل تک پہونچایا جا سکے۔

میں اپنے شیعہ بھائیوں سے خصوصاً اور دیگر فرق اسلامیہ سے عموماً درخواست کرتا ہوں کہ وہ ہندوستان کی امن و امان کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے گاؤکشی کے انسداد کی ممکن کوششیں اور عوام کو اس کی طرف راغب کریں کہ وہ گائے کے گوشت کا استعمال رضاکارانہ طور پر ترک کر دیں۔

سید مصطفےٰ احسن رضوی

۲۱ رجون سنہ ۱۹۳۹ء

قیمت ۲۰ر ملنے کا پتہ:۔ دفتر اخبار اسد لکھنؤ محصول ۰ر